دیوان نین سکھ

مرتبہ

ڈاکٹر ظفر اقبال



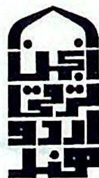
انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلّی

دیوان نین سکھ

دیوانِ نین سُکھ

مُرتّبہ

ڈاکٹر ظفر اقبال



انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلّی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو ہند نمبر ۱۴۲۴

سنہ اشاعت : ۱۹۹۲ء

قیمت : ۳۵ روپے

بہ اہتمام : ایم۔ حبیب خاں

تزئین کار : انیس احمد

طباعت : ثمر آفسیٹ پرنٹرز، نئی دلّی

DIWAN-E- NAIN SUKH

Edited : by Dr. ZAFAR IQBAL

Rs : 35/-

1992

ISBN 81-7160-044-1

BOOK DEPOT BRANCH :
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU BHAWAN, 2ND FLOOR,
CHOWHATTA, PATNA-800-004.

Head Office :
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU GHAR, ROUSE AVENUE,
NEW DELHI - 110 002.

فہرست

حرفِ آغاز

اردو میں قدیم متون کی طباعت اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب ہندوستان میں پریس کا رواج ہوا اگرچہ سر سید نے ابوالفضل کی 'آئینہ اکبری' مرتب کر کے متنی تنقید کی روایت کا باقاعدہ آغاز کر دیا تھا لیکن اس فن کو مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ آئینہ اکبری کی طباعت کے ۶۰، ۷۰ سال بعد مولوی عبدالحق نے اردو میں متنی تنقید کا آغاز کیا۔ انھوں نے انجمن ترقی اردو ہند کے زیر اہتمام بڑی تعداد میں اردو تذکروں، دکن اور شمالی ہند کے شاعروں کے دواوین اور دکن کی بعض نثری تصنیفات کے تنقیدی اڈیشن شایع کیے۔ ہمارے متنی نقادوں میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی، قاضی عبدالودود، حافظ محمود شیرانی، مالک رام صاحب، پروفیسر نذیر احمد اور رشید حسن خاں صاحب وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ یہ فن ہمیشہ ہی سے ہماری دانش گاہوں کی حدود سے باہر رہا۔ اردو میں جتنے بھی اعلا درجے کے متنی نقاد پیدا ہوئے ہیں ان کا درس و تدریس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ کچھ دن سے یونیورسٹی کے اساتذہ اب اس طرف توجہ کر رہے ہیں اور یہ متنی تنقید کے حق میں بہت اچھا ہے۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر ظفر اقبال نے ایک غیر معروف کلاسیکی شاعر نین سکھ کا دیوان مرتب کیا ہے۔ اس شاعر کے نام سے شاید ہی کوئی اسکالر واقف ہو۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے تذکرہ مخطوطات اردو میں نین سکھ نامی ایک شاعر کا ذکر کیا ہے لیکن غالباً وہ کوئی اور شاعر ہے وہ نہیں جس دیوان کا ظفر اقبال صاحب نے تنقیدی اڈیشن تیار کیا ہے۔ نین سکھ کے دیوان کا ابھی صرف ایک ہی نسخہ دریافت ہوا ہے۔ متنی تنقیدوں کے اصولوں کے پیش نظر متنی نقاد کے پاس اگر صرف ایک ہی متن ہو تو کام مشکل بھی ہو جاتا ہے اور آسان بھی۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ اگر ہمارے پیشِ نظر دو یا دو سے زیادہ متن ہوتے ہیں۔ تو عبارت پڑھنا آسان ہو جاتا ہے۔

کیوں کہ اگر ایک متن میں عبارت غیر واضح ہو تو دوسرے متن سے مدد لی جا سکتی ہے اور اگر صرف ایک ہی متن ہو تو متنی نقاد کو قیاسی تصحیح کا بہت زیادہ سہارا لینا پڑتا ہے۔

اقبال صاحب نے نین سکھ کے دیوان کا زیر نظر تنقیدی اڈیشن بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تیار کیا ہے۔ مقدمے میں انھوں نے متن اور شاعر سے متعلق تمام اہم مباحث کا احاطہ کر لیا ہے۔ یہ دیوان قدیم اردو کی ادبی اور لسانی خصوصیات کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

ظفر اقبال صاحب اٹھارہویں صدی کے بعض اہم شاعروں کے دیوانوں کا تنقیدی اڈیشن تیار کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اردو میں یہ کام بہت کم ہوا ہے۔ ہم نے غالب، اقبال اور انیس کا کافی حد تک حق ادا کر دیا لیکن میر، سودا، خواجہ میر درد اور مومن وغیرہ ابھی تک ہمارے متنی نقادوں کی توجہ کے طالب ہیں۔ خدا کرے ظفر اقبال صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔

خلیق انجم

۳۰ جون ۱۹۹۲ء

تعارف

ڈاکٹر ظفر اقبال، کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرر ہیں، آج کل مہمان استاد کی حیثیت سے ٹوکیو یونیورسٹی، جاپان کے شعبۂ اردو میں طلبا کو درس دے رہے ہیں۔ اپنی کم عمری کے باوجود درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ وہ آج کل بعض قدیم متون 'دیوان احسن اللہ بیان' دیوان آبرو، دیوان قدرت اللہ قدرت اور مبتلا کا تذکرہ طبقاتِ سخن مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔ طبقاتِ سخن کے نسخۂ شاہجہاں پور کی نقل اور نسخۂ برلین کا عکس انھوں نے فراہم کر لیا ہے۔ ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان اہم اور قدیم مخطوطات پر پوری توجہ دیں گے اور تصحیح و تحشیے کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔

دیوان نین سکھ کی ترتیب ان کی تازہ کوشش ہے۔ یہ کام انھوں نے اردو کے علاقے سے بہت دور جاپان میں بیٹھ کر کیا ہے۔ جہاں اردو کے مصادر بہت کم ہوں گے، اگر یہ کام وہ کراچی، لاہور میں کرتے تو ان متعدد مراجع سے انھیں مستفید ہونے کے مواقع ملتے جو فی الحال، میرا خیال ہے، ان کی دسترس میں نہیں۔

نین سکھ کی شخصیت فی الحال مجہول ہے، اس کا اصل نام یہی تھا یا کچھ اور، کہا نہیں جا سکتا، اس کے سنین ولادت و وفات بھی معلوم نہیں، کہاں کا رہنے والا تھا، شاعری میں کس سے شرف تلمذ حاصل تھا، کچھ پتا نہیں۔ اس کی زندگی کے حالات پردۂ تاریکی میں ہیں۔ اردو شعرا کے تذکرے جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ اس کے ذکر سے خالی ہیں۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم کے تذکرۂ مخطوطات اردو میں جس نین سکھ کا ذکر ہے، جس نے صف شکن خاں مجاہد جنگ ارمان حیدر آبادی کے صوبہ دار مقرر ہونے پر ایک قطعۂ تاریخ فارسی

زبان میں ۱۱۶۷ھ میں لکھا تھا، مرتب کے خیال میں وہ، نین سکھ صاحبِ دیوان سے مختلف ہے۔ میں فی الحال اس سلسلے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن انھوں نے اس کے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ قطعی نہیں اور ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ لکھتے ہیں کہ صف شکن خاں کے سلسلے کا قطعۂ تاریخ، دیوان نین سکھ میں موجود نہیں، اس لیے وہ قطعہ، صاحب دیوان کا نہیں کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہو ایسا ہی ہو، لیکن یہ بالکل ضروری نہیں کہ کسی شاعر کی ہر غزل، ہر قصیدہ، ہر قطعہ دیوان میں شامل ہو۔ خاص طور پر ایسی شکل میں کہ ان کے بقول دیوان کا موجودہ نسخہ غالباً نین سکھ کی بیاض ہے جس میں اس نے اپنا کلام بغیر کسی ترتیب کے نقل کرایا ہے۔ پھروتی سے غالب تک کے دواوین دیکھ جائیے۔ بعض شعرا کا کچھ اور بعض کا خاصا کلام دیوان مروجہ میں سے غیر حاضر لیکن دوسرے مصادر میں موجود ملتا ہے۔ پھر یہ نین سکھ کا اردو دیوان ہے فارسی کلام کا شمول اس میں ضروری نہیں۔ دیوان شیخ غلام یحییٰ حضور عظیم آبادی (متوفی ۱۲۰۶ھ) میں اس کے اردو اشعار ہیں فارسی کا ایک مصرع بھی نہیں ملتا، جب کہ ان کا لکھا ہوا فارسی کا ایک قطعہ جو حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی کی وفات پر انھوں نے ۱۲۰۳ھ میں نظم کیا، حضرت عشق کے لوح مزار پر کندہ ملتا ہے۔ فدوی عظیم آبادی کا فارسی قطعۂ تاریخ وفات عشق بھی ان کے دیوان اردو سے غیر حاضر ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ نین سکھ کے دیوان کا موجودہ نسخہ مکمل نہیں، جیسا کہ مرتب نے اپنے مقدمے میں صراحت کی ہے۔ اس کے کچھ اوراق غائب ہیں۔

۲۔ مرتب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ نین سکھ نے کیا ساری زندگی میں ایک ہی فارسی قطعہ لکھا؟ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی کا سارا سرمایہ ہمارے پیش نظر ہے کہاں! حضور اور فدوی کا ذکر اوپر گزرا، جن کا لکھا ہوا صرف ایک ہی فارسی قطعہ اب تک دستیاب ہوا ہے۔ ایسے اور شعرا بھی ہوں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نین سکھ نے فارسی میں شعر کہے ہوں لیکن وہ ہم تک نہ پہنچ سکے ہوں یا ضائع ہو گئے ہوں۔

میرا یہ ادعا ہرگز نہیں کہ محی الدین قادری زور نے جس نین سکھ کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہی نین سکھ صاحبِ دیوان اردو ہیں۔ میری مراد یہ ہے کہ فاضل مرتب نے جو دلائل دیے ہیں وہ مستحکم اور قطعی نہیں۔

نین سکھ نام کے ایک صاحب اور گزرے ہیں۔

سید مقبول احمد صمدنی: علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی (متوفی ۱۱۳۸ھ) کی سوانح زندگی حیات جلیل میں میر صاحب کے بارہ ۱۲ معتمدان خدمت و ملازمین خاص کا ذکر کرنے کے بعد نین سکھ کا مختصر حال لکھتے ہیں۔

نین سکھ، ان کا منشی اور مقرب خاص تھا۔ جس زمانے میں دربار کی حاضری دونوں وقت دینی پڑتی تھی اور میر صاحب عدیم الفرصت تھے تو افسوس کرتے تھے:

"نین سکھ بیمار است ہنا جواب خطوط مردم آں جا کہ میر سند نمی شود کہ بنویسم بہر کدام عذر خواہند گفت"

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"نین سکھ بتاریخ ششم جمادی الآخر ۴۲ھ بقضائے الٰہی فوت شد۔ تاسف بسیار نمودیم نہ بجز صبر چارہ نیست" (حیات جلیل): (طبع الٰہ آباد ۱۹۴۱ء)

مؤلف مرحوم نے میر عبدالجلیل کے دو خطوں کی جو مختصر عبارتیں نقل کی ہیں اس سے نین سکھ کے بارے میں کچھ وضاحت نہیں ہوتی۔ اس کی فارسی انشا پردازی کا ذکر تو ہے لیکن اس کی اردو شاعری کے متعلق کسی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۲۰۲ھ) مآثر الکرام میں میر عبدالجلیل کے حال میں لکھتے ہیں۔ "میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ خلف الصدق ایشاں پارہ از منشآت والا جمع کردند"۔ یہ مجموعہ بائیس خطوط پر مشتمل تھا جو میر صاحب نے اپنے صاحبزادے میر سید محمد بلگرامی کو سفر سے بھیجے تھے۔ (حیات جلیل ۲: ۱۷) افسوس ہے کہ اس مجموعۂ خطوط کا کوئی قلمی نسخہ بلگرام یا کسی جگہ دستیاب نہیں۔ ہاں فرامین (ORIENTAL MISCELLANY میں ہے جسے ایک انگریز مستشرق نے مرتب کیا ہے اور جس میں فرامین اور دوسری تحریرات کے ساتھ میر عبدالجلیل کے فارسی مکتوبات کا متن انگریزی ترجمے کے ساتھ کلکتہ سے ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا ہے۔ قابل قدر تحریرات کا مجموعہ ہے۔ انگریز مؤلف نے اس کا نام "مختلف معاملات پر باپ کے اصلی خطوط بیٹے کے نام" رکھا ہے اس کی اشاعت کو اب کوئی دو سو سال ہونے کو آئے یہ کمیاب نہیں گویا نایاب ہے۔ میں نے کلکتہ، لاہور خطوط لکھ کر اس کے حصول کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی میں نے لندن خط لکھا ہے اگر برٹش لائبریری میں یہ مجموعہ حاصل ہو گیا تو اس کا امکان ہے کہ نین سکھ کے بارے میں کچھ مزید اطلاع ملے۔

لیکن یہ نین سکھ، صاحبِ دیوان سے متقدم معلوم ہوتے ہیں اور اس کا بہت کم امکان ہے کہ ہم جس

نین سکھ کی تلاش میں ہیں وہ یہی نین سکھ ہوں جن کا ذکر حیاتِ جلیل میں آیا ہے۔

نین سکھ نے ایک شعر میں بارھویں صدی کا ذکر کیا ہے:

بارہ صدی کا دور جو سنتے تھے (ہم) نینؔ
بے شک شبہہ تحقیق وہ ہنگام یہی ہے

منشی نین سکھ جن کا سال وفات ۱۱۰۴ھ میر صاحب نے بتایا ہے، یہ صاحب دیوان نین سکھ اسی وقت قرار دیے جا سکتے ہیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ نین سکھ نے یہ غزل یا کم از کم یہ شعر اپنی زندگی کے بالکل آخری دور میں ۱۱۰۴ھ سے کچھ پہلے لکھا ہے، لیکن اس شکل میں بھی یہ اشکال رہ جاتا ہے کہ نین سکھ کی زبان اتنی قدیم نہیں معلوم ہوتی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ بصورت موجودہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر نین سکھ جس کا دیوان اردو محفوظ ہے۔ اور جس نین سکھ کا فارسی قطعہ حیدرآباد میں ملتا ہے اور نین سکھ جو میر عبدالجلیل بلگرامی کے متوسلین میں تھا۔ ایک ہیں یا یہ تینوں علحدہ علحدہ شخصیتیں ہیں۔

نین سکھ کے ایک شعر میں تیرھویں صدی کا ذکر بھی آیا ہے:

وہ تیرہ صدی جو سنے تھے سبھی
یہی ہے، یہی ہے یہی ہے، یہی

اس سے تو یہ خیال بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ نین سکھ (متوفی ۱۱۰۴ھ) کا کسی قسم کا تعلق نین سکھ صاحب دیوان سے ہے۔

مرتب نین سکھ صاحبِ دیوان کو پیشے کے لحاظ سے زرگر بتاتے ہیں اور ثبوت میں ان کی تین ابیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں تولہ، ماشہ، رتی، چھٹنکی، صراف اور کھوٹا کے الفاظ آئے ہیں۔ شعرائے فارسی و اردو میں کتنوں کے یہاں نجوم، طب اور دوسرے علوم اور مختلف پیشہ وروں کی اصطلاحیں آئی ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شعرا نجومی یا طبیب تھے یا زرگر، خیاط، معمار۔

نین سکھ کو مرتب یقینؔ دہلوی کا شاگرد بتاتے ہیں۔ اور سند میں حسب ذیل شعر درج کرتے ہیں جس میں اس نے یقینؔ کے ایک مصرع کی تضمین کی ہے۔ اس میں استناد کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نین سکھ نے انھیں "حضرت یقینؔ" لکھا ہے۔ تعظیمی لفظ "حضرت" استعمال کرنے سے یقینؔ کا ان کا استاد ہونا کس طرح ثابت ہو سکتا ہے، ناصر، مولف تذکرہ خوش معرکۂ زیبا کا دستور ہے کہ وہ کسی اہم شاعر کے ذکر کے بعد ان کے

تلامذہ کا ذکر کرتا ہے۔ یقینؔ کی فہرستِ تلامذہ میں نین سکھ کا ذکر نہیں۔ اگر وہ یقینؔ دہلوی جیسے شاعر کا واقعی شاگرد ہوتا تو کسی نہ کسی تذکرے میں اس کا ذکر ضرور ملتا۔ شاگردیِ یقینؔ کے لیے کسی مضبوط دلیل کی ضرورت ہے۔

نین سکھ کے مذہب کے بارے میں مرتب کا خیال ہے کہ وہ ہندو مذہب کے پیرو کار ہیں۔ ثبوت میں تین شعر انھوں نے پیش کیے ہیں۔ ان اشعار سے استناد درست نہیں۔ کتنے ہی مسلم شعرا کے دواوین میں اس مضمون کے شعر مل جائیں گے۔ انھوں نے اپنے خیال کے استحکام کے لیے نین سکھ کے حسب ذیل شعر نقل کیے ہیں، ان سے تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔

تسبیح نماز روزے سے مجھ کو نہیں ہے کام / میں بت پرست ہوں مرا پہچان یہ سخن
کیا ازل سے ہے صانع نے بت پرست مجھے / کبھو بتوں سے پھروں میں، یہ تو خدا نہ کرے
یہ مانگتا ہوں دعا روز حق تعالیٰ سے / بتوں سوا ے کہیں دل کو مبتلا نہ کرے

وہ لکھتے ہیں نین سکھ نے اہل دل، اہل حق، مردِم آگاہ، حق آگاہ، جیسی تراکیب بکثرت استعمال کی ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی صوفی کے صحبت یافتہ یا اسی طرح کے ماحول کے پروردش یافتہ تھے۔ وہ عقیدہَ جبر کے قائل تھے، ان کے خیال میں انسان مجبور محض ہے۔

اپنی نظر تو نینؔ خدا پر ہے، ہو سو ہو
جو آن باز کھائے وہ لاچار دیکھنا

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں: نین سکھ پختہ مذہبی عقائد رکھتے تھے اور خدا کی رزاقیت پر مکمل بھروسا کرنے کے قائل تھے، انھوں نے دو شعر بھی نقل کیے ہیں جو قابل توجہ ہیں:

تو ہی رازقِ حقیقی ہے جو دیوے سارے عالم کو / ترے ثانی کوئی یا رب کہاں داتا ہو پیدا
جز نام خدا صرف نہ کرنا کبھو انفاس / از بسکہ عبارت کا سر انجام یہی ہے

نین سکھ، اگر شاعر کا نام ہے تو ان کے مذہب کا معاملہ واضح ہے، اور اگر نین سکھ اصلی نام نہیں، بلکہ بعض مسلم شعرا کی طرح کہ جب وہ ہندی میں شعر کہتے ہیں تو اسی مناسبت سے نام بدل دیتے ہیں اور کچھ اور رکھ لیتے ہیں، یہ ان کا قلمی نام ہے۔ تو صورتِ حال مختلف ہو جاتی ہے۔

ہندی شاعری کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ میر غلام نبی بلگرامی اٹھارویں صدی عیسوی کے شاعر ہیں۔ فارسی میں نبی تخلص کرتے تھے، یہ ہندی میں 'رس لین' (محبت میں محو) کے نام سے **معروف ہیں۔**

ان کی منظوم تصانیف میں انگ درپن اور رس بودھ مشہور ہیں۔ سید ابراہیم، جو "رس کھان" کے نام سے شہرت رکھتے ہیں، ہندی کے ممتاز شاعر گزرے ہیں۔ طالب علی بلگرامی (رس نائک) بھی ہندی کے شاعر ہیں۔ "بیتیم" اور "پریمی" بھی مسلمان شاعر ہیں، نام کچھ اور ہیں لیکن ہندی دنیا میں یہ دونوں "بیتیم" اور "پریمی" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نین سکھ کے مذہب کے بارے میں قطعیت کے ساتھ اسی وقت کچھ کہا جاسکتا ہے جب اس عہد کی تاریخ یا شعرا کے تذکرے سے کوئی معتبر شہادت مل جائے۔

دیوان نین سکھ کا نسخہ منحصر بفرد ہے۔ قیاس ہے کہ یہ مکمل ہوکر کبھی مرتب نہیں ہوا، کلام بھی عام اور مقبول نہ ہوا اس لیے اس کی نقلیں تیار نہ ہوسکیں، اگر نقل نویسوں نے اس کی نقلیں تیار کیں تو وہ ضائع ہوگئیں، اور صرف وہی نسخہ محفوظ رہ گیا جو مصنف کا ذاتی نسخہ تھا۔ یہ نین سکھ کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور اسے مرتب نے بیاض کہا ہے۔ حسن اتفاق سے مولوی عبدالحق مرحوم کو یہ نسخہ ہاتھ لگ گیا (اگر انھیں حیدرآباد یا اس کے مضافات میں ملا تو اس سے کچھ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، اگرچہ قطعی نہیں) اور ان کے ذاتی کتاب خانے میں رہا۔ یہ اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہوا، تقسیم ہند کے فسادات میں ضائع ہونے سے بچ گیا اور کراچی پہنچ کر مولوی صاحب کے کتاب خانہ خاص میں محفوظ رہا۔ مولوی صاحب کی زندگی میں کراچی میں ان کے ذاتی کتاب خانے پر بھی افتاد پڑی، بہرحال ان کی وفات کے بعد ان کی مملوکہ ساری کتابیں کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ کردی گئیں۔ آج کل اردو۔ سندھی جھگڑوں اور لسانی فسادات کی وجہ سے انجمن کے سارے مخطوطات و نوادر حکومت کی نگرانی میں نیشنل میوزیم کراچی میں بھیج دیئے گئے ہیں۔ اور دیوان نین سکھ کا یہ وحید نسخہ اب وہیں محفوظ ہے۔

کسی قدیم شاعر کا دیوان صرف ایک نسخے سے مرتب کرنا، اور الفاظ کی صحیح قرارت متعین کرنا ایک مشکل کام ہے۔ شاید اس لیے کہ شاعر غیر معروف بلکہ مجہول ہے جس کا صحیح زمانہ حیات بھی معلوم نہیں، اور جس کے اکثر اشعار بھی بے مزہ ہیں، مولوی عبدالحق مرحوم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ دیوان کی اشاعت تو دور کی بات ہے، اس پر ایک مختصر سا تعارفی مضمون بھی لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر شائع نہیں کیا۔ دیوان کی قدامت کی وجہ سے اس کی لسانی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر ظفر اقبال کا ہمیں ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس کی ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ کی، ان کی یہ کوشش

لائق تحسین ہے۔

جناب ڈاکٹر خلیق انجم، سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) سے اس دیوان کا ذکر آیا، اس کی قدامت و لسانی اہمیت کی وجہ سے وہ اس کی اشاعت پر بخوشی آمادہ ہوگئے، اگر وہ اسے صحیح چھپوا سکے تو ہمارے دہرے شکریے کے مستحق ہوں گے۔ کیا عجب مستقبل قریب میں اس کا کوئی دوسرا نسخہ مل جائے، اس وقت اس کا زیادہ مکمل اور صحیح و مستند متن پیش کیا جاسکتا ہے۔

مختار الدین احمد

۲۰/ مئی ۱۹۹۱ء

ناظمہ منزل

۴/۲۸۶ امیر نشان روڈ

علی گڑھ

مقدمہ

نین سکھ کے حالات واشعار کسی تذکرے یا ذیلی مآخذ میں نہیں ملتے ہیں۔ اور نہ انھوں نے دیوان میں ایسے اشارے دیے ہیں کہ جن کی مدد سے ان کی زندگی کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا۔ وہ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ زندگی کہاں اور کیسے گزاری، وفات کہاں اور کب پائی؟ ان سب کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے دیوان میں دو شعر ایسے مل سکے کہ جن سے نین سکھ کے عہد کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے:

بارہ صدی کا دور جو سنتے تھے نین ۔۔۔ بے شک شبہ، تحقیق وہ ہنگام یہی ہے
وہ تیرہ صدی جو سنے تھے سبھی ۔۔۔ یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے، یہی

پہلے شعر میں بارہویں صدی اور دوسرے میں تیرہویں صدی کے ذکر سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نین سکھ کا زمانہ بارہویں صدی کے وسط سے تیرہویں صدی کی ابتدائی چند دہائیوں تک کے عہد پر محیط ہے۔ اس سلسلے میں "مسدس شہرآشوب" کے دو بند ہماری مزید رہنمائی کرتے ہیں:

ہے عجب کچھ یہ جاٹ کی سرکار ۔۔۔ خلق ناخوش، سپاہ سب بیزار
دیر طلبی سے سخت ہو لاچار ۔۔۔ اکثر اس بیت کو پڑھیں ہیں پکار
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی و بحالی ہے

پاجی عالم ہے بادشاہی میں ۔۔۔ مرد آدم پھریں تباہی میں
کیا کہوں میں جناب الٰہی میں ۔۔۔ اب کے پھر گتھلی ہے چھاہی میں
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی و بحالی ہے

جاٹ گردی، شاہ عالم کے عہد کے اہم واقعات میں سے ہے۔ شاہ عالم کی تاریخ مسندنشینی ۱۱۷۳ھ اور

تاریخ وفات ۱۲۲۱ھ سے نہ صرف مذکورہ شہرآشوب کے سن کی توقیت ہوتی ہے بلکہ نین سکھ کے عرصہ حیات کو بھی ایک دائرے میں محدود کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے قرائن سے نین سکھ کی حیات کو بارہویں صدی کے نصف آخر اور تیرہویں صدی کی ابتدائی چند دہائیوں کے مابین متعین کر چکے ہیں، مذکورہ شہرآشوب میں بیان کردہ حالات سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے "تذکرۂ مخطوطات" میں درج ذیل قطعۂ تاریخ کو نین سکھ نام کے ایک شاعر سے منسوب کیا ہے:

مبارک کناں نظم جان و دکھن ۔۔۔ نگہدار مولا علی در امن
کہ ملک علی صوبہ شد صف شکن ۔۔۔ ز ہاتف ندا آمد، آیین بگو

ڈاکٹر زور نے لکھا ہے کہ نین سکھ نے یہ قطعہ صف شکن خاں، مجاہد جنگ، ارمان حیدرآبادی کے حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر ہونے کے موقع پر پیش کیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۱۶۷ھ کا ہے۔ (ڈاکٹر محی الدین قادری زور "تذکرۂ مخطوطات" جلد چہارم، ص: ۲۶۲۔ طبع ثانی: ترقی اردو بیورو، دہلی ۱۹۸۴ء) یہی اطلاع افسر صدیقی نے بھی دی ہے۔ (افسر صدیقی، فہرست مخطوطات، انجمن ترقی اردو، جلد چہارم، ص: ۲۰۲) مذکورہ بالا قطعہ کا اس نین سکھ سے جس کا دیوان ہم پیش کر رہے ہیں انتساب ہماری رائے میں درست نہ ہوگا۔ اس کے متعدد دلائل موجود ہیں۔

۱۔ اگر یہ قطعہ ہمارے نین سکھ کا ہے تو اسے ان کے دیوان میں بھی شامل ہونا چاہیے تھا لیکن دیوان میں مذکورہ قطعۂ تاریخ درج نہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات اور: کیا نین سکھ نے ساری زندگی میں صرف ایک ہی قطعۂ تاریخ لکھا؟ اگر زیادہ لکھے تو انھیں کلاً یا جزواً دیوان میں شامل ہونا چاہیے تھا۔

۲۔ نین سکھ کا حیدرآباد جانا ثابت نہیں۔ اگر وہ حیدرآباد جاتے تو وہاں کی "سرکاروں" یا دربار میں باریابی اور حصولِ مقصد کے لیے قصائد ضرور لکھتے! موجودہ صورت میں ان کے دیوان میں قصیدہ تو کجا، کسی کی شان میں چند مدحیہ اشعار تک نہیں ہیں۔

۳۔ مذکورہ بالا قطعہ تاریخ فارسی میں ہے۔ نین سکھ کے پورے دیوان میں فارسی کا ایک بھی شعر نہیں۔ اگر وہ فارسی میں کچھ بھی لکھتے تو زیرنظر دیوان میں کچھ نہ کچھ تو درج ہوتا۔

دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ قطعۂ تاریخ کا زیرِ بحث نین سکھ سے انتساب درست نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اس نام کی کوئی اور شخصیت حیدرآباد میں گزری ہو۔

نین سکھ کے دیوان میں ۱۴۷ اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں بھوپال کے حالات بیان کیے

گئے ہیں اور ایک واقعے کی تفصیلات رقم کی گئی ہیں۔ اس مثنوی میں بیان کردہ تفصیلات سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیان ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے۔ نیز اس مثنوی سے نین سکھ کی بھوپال سے کچھ نہ کچھ نسبت بھی واضح ہوتی ہے۔

نین سکھ کی علمی صلاحیت اوسط درجہ کی تھی۔ انھوں نے متعدد مقامات پر 'عنداللہ'، 'حق تعالیٰ'، 'جزاک اللہ' جیسے عربی الفاظ برمحل استعمال کیے ہیں۔ علاوہ ازیں "مخمس شہر آشوب" میں ایک قرآنی آیت "وقنا عذاب النار" بھی بطور مصرع استعمال کی ہے۔ جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس سے نین سکھ کو بس معمولی واقفیت تھی۔ بالخصوص عروض سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت دیوان میں متعدد مقامات پر فراہم ہوتا ہے۔

نین سکھ پیشے کے لحاظ سے زرگر تھے۔ انھوں نے متعدد اشعار میں اپنے پیشے کی اصطلاحات نظم کر کے اس کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

وہ جو اک تولہ کئی ماشہ تھی تم سے یاری　　رتی بھر بھی نہ رہا اس میں کچھ آثار کہیں

کھوٹا ہو اگر دام ہی اپنا یارو　　صراف کو پھر عیب عبث لیئے کیوں

ذرا سے دیکھتے ہی یہ بدلی نظر تری　　من میں چھٹنکی سیر پیچھے گھٹ گیا ہے دل

نینؔ سکھ کو غالباً انعام اللہ خان یقینؔ سے تلمذ حاصل تھا، کیوں کہ انھوں نے ایک شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے؛

قول ہے حضرت یقینؔ کا تب تو یوں کہتا ہے نینؔ　　"بھر کے دلی رو لیجے یہ چشم گریاں پھر کہاں"

اس شعر میں یقینؔ کے لیے "حضرت یقینؔ" کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو یقینؔ سے ان کے تلمذ کے گمان کو تیقن کی سرحدوں تک پہنچاتے ہیں۔ انھوں نے یقینؔ کے علاوہ سوداؔ اور میر تقی میرؔ کے مصرعوں کی بھی تضمین کی ہے لیکن ان کے لیے ایسے تعظیمی الفاظ نہیں استعمال کیے ہیں؛

راست ہے دنیا کا احوال، بقول سوداؔ　　"ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گرفتار کئی"

اب کیا کہوں نصیبوں کو سچ ہے، بقول میرؔ　　"اُیدھر تو ہم سے تم پھرے اودھر خدا پھرے"

اس غیر حتمی داخلی شہادت کے علاوہ یقینؔ سے ان کے تلمذ کا ثبوت کہیں سے نہ مل سکا۔ نین سکھ نے اپنے استاد کی مہربانیوں کا بھی برملا اعتراف کیا ہے:

مہر استاد کی سے دیکھو تو اس نینؔ کے تئیں
شعر کہنے کا کبھی ڈھب نہ ہوا تھا سو ہوا

اس دیوان کی ترتیب کے وقت تک نین سکھ معمر ہو چکے تھے جس کا اشارہ متعدد اشعار میں ملتا ہے:

غنیمت ہے مجھ کو بزرگی یہ اتنی　　میں طالب ہوں تیرا اور تو جان من ہے

ہو سکے سب ہوس ولے لیکن　　بوڑھے کو کس طرح جواں کیجیے

نین سکھ نے اپنی شاعری کی وجہ جواز یوں بیان کی ہے:

دنیا میں یادگاری کو کرتا ہے فکر نینؔ
اس کا بھی کوئی دنوں میں دیوان دیکھنا

ان کے نزدیک فکر سخن، نام کی بقا کا بہترین طریقہ ہے۔ اس شعر کی تخلیق کے وقت تک ان کا دیوان مکمل نہیں ہوا تھا۔ "کوئی دنوں" سے مترشح ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ خاصی تعداد میں شعر کہہ چکے تھے اور دیوان کی تکمیل کچھ ہی عرصہ کی بات تھی۔ نین سکھ شاعری کو فن شریف، قابلیت کی نشانی اور باعثِ افتخار جانتے تھے۔ انھوں نے صاحب سخن کو افلاطون کے ہم مرتبہ قرار دیا ہے:

جسے شعر کا شوق ہے رات دن　　وہ تو قابل ہے اس کی کیا بات ہے

جو کوئی عصر میں ہے صاحبِ سخن　　اسے کہیے بے شک فلاطون زمن

نین سکھ ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ انھوں نے متعدد مقامات پر فخریہ لہجے میں اس کا اظہار کیا ہے؛

تسبیح، نماز، روزے سے مجھ کو نہیں ہے کام　　میں بت پرست ہوں امرا پہچان یہ سخن

کیا ازل سے ہے صانع نے بت پرست مجھے　　کبھو بتوں سے پھروں میں، یہ تو خدا نہ کرے

یہ مانگتا ہوں دعا روز حق تعالیٰ سے　　بتوں سوائے کہیں دل کو مبتلا نہ کرے

نین سکھ نے اہل دل، اہل حق، مردم آگاہ، حق آگاہ، دل آگاہ جیسی اصطلاحات بکثرت نظم کی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی صوفی کے صحبت یافتہ یا اس طرح کے ماحول کے پرورش یافتہ تھے۔ وہ عقیدہ جبر کے پیروکار تھے۔ ان کے خیال میں انسان مجبور محض ہے؛

جو حق کی رضا ہے، سو ہی سچ ہے　　چھوٹا ہے سب اختیار اپنا

اپنی نظر تو نین خدا پر ہے، ہو سو ہو　　جو آن باز کھائے سو لاچار دیکھنا

نین سکھ پختہ مذہبی عقائد رکھتے تھے اور خدا کی رزاقیت پر مکمل بھروسہ کرنے کے قائل تھے؛

توئی رازقِ حقیقی ہے جو دیوے سارے عالم کو ترے ثانی کوئی یارب کہاں داتار ہو پیدا

صانع مرادہ ہے کہ ہو کیسی رہی چوب خشک سو سو دفعہ وہ چاہے تو اس کو ہری کرے

وہ خدا سے لو لگانے اور دنیاوی ہوا و ہوس سے دور رہنے کو پسند کرتے تھے :

یہ نین سکھ تری یاد میں مسرور رہے دائم یا بار خدا اس کا یہ اطوار نہ چھوٹے

جز نام خدا صرف نہ کرنا کبھو انفاس از بسکہ عبادت کا سرانجام یہی ہے

نین سکھ نے زمانے کی بدلتی ہوئی قدریں، مفاد پرستی، ناپرسی، بے توقیری، ملمع سازی، سپاہیوں، علماء اور ہنرمندوں کی بے قدری، جاہلوں کی لاف وگزاف، پست لوگوں کا بلند ہو جانا، ہوس مال رکھنے والوں کا صاحب عزت و رتبہ ہونا اور عوام کو پریشان کرنے والے منصب داروں اور اہلکاروں کی جابجا مذمت کی ہے :

یاروں میں جو یاری ہے سو سب باتیں ہیں سن لو دنیا میں کہاں ہے کہیں کوئی یار کسی کا

نجیبوں سے کیوں کر خوشی ہو تمہاری کمینوں کا ہے دور حضرت سلامت

پوچھے کوئی کسی کو یہ امکان ہی نہیں ناپرسی کا یہ دور انوکھا کھلا پھرا

بے ہنر ہو گئے ہیں اب ممتاز قابلوں کا شمار کوئی نہیں ہے

نین سکھ کے کلام میں مکمل طور پر ہندوستانی فضا جھلکتی ہے۔ وہ دور از کار تشبیہات اور بعید از فہم استعارات سے کام نہیں لیتے، وہ سامنے کی چیزوں کو بطور تشبیہ استعمال کرتے ہیں۔ انسانی عزم و ہمت کو برانگیختہ کرنے کے لیے اردو شاعری میں دریائے گنگا کو بطور مثال پیش کرنے کی اولین طرح غالباً ان ہی نے ڈالی ہے :

بڑھی جس کی ہمت بڑھا اس کا ٹھاٹ

نہ مانو تو جا دیکھو گنگا کا پاٹ

ان کی شاعری میں محاوروں کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ انھوں نے جہاں محاورہ باندھا ہے تو پست و بلند کے تصور کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ شاعری میں سوقیانہ محاورہ یا پست و فحش لفظ استعمال کرنے سے قطعاً نہیں ہچکچاتے :

گو کہ ہے آہ اپنی بے تاثیر پر رقیبوں کو ہینگ ہگاتی ہے

اپنی کرتے ہیں آپ ہی تعریف ان کے تئیں کو تو چوتیا کہیے

انھوں نے اپنے کلام میں بہت سے غیر مانوس اور متروک الفاظ استعمال کیے ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے :

آب اوزاں، آسیا، اچرج، ادھوتر، اگری، اپاو۔

بھونچیا، بھومیا، بھاگن، بھنڈی، باٹ، بچلنا، بھتیک، بھائیں، باچھڑی، بے بند، بھیتر، بھید بھاؤ، پل، پاسیدھیا، پھلیل، پرات، پیچ ہار، پسیری۔

جٹا، جھمکڑا، چیرہ، چیرا بند، چھیا، چھٹہ، چٹ لگن، چٹٹی، چلنا، چھیکا، چھینا، چھٹ، چکرت، چچا۔

خنجری، خندوں، خوگیر۔

دہاشہ، دھیا، دھندھوکاں، دھتورا۔

ڈنڈیل، ڈاہ۔

زری باب۔

روب، رپ، رنجک۔

سرس، سرمور، سارنگ، سمر شہتوت، سہج، سیتی، سوگند، سربری۔

شبا شب، شیشے، شفقی۔

غربال۔

فروعی۔

قلبتاں، قابوچیں۔

کھور، کٹی بھیر بھاڑ، کھاج، کھنڈی، کانا، کپوت، کھان پان، کنگ، کنے، کھل، کپور، کام دار۔

گنگور، گیھان، گھور، گھڑیاں، گوہد، گیپائی، گونیدے۔

مدھبڑا، ماٹ، منتر، من ہرن، مشک، مردنگ، مواشی، مستتر، موگیا، مرنڈا۔

نت نیٹ، نانکار۔

وار پار۔

ہاٹ۔

یرات۔

مخطوطہ کی کیفیت

دیوان نین سکھ کا مخطوطہ ۶۱/۲ × ۹۱/۲ سائز کے ۱۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ اوسط درجہ کے خط نستعلیق میں بظاہر مصنف کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ نسخہ معمولی طور پر کرم خوردہ ہے۔ کاغذ، مٹیالا دبیز ہے اور کتابت سیاہ روشنائی سے کی گئی ہے۔ قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ کردی گئی ہیں۔ اس کا نمبر فا ۵۴۸/۱ ہے۔ نسخہ کا آغاز غزلیات سے ہے۔ صفحہ ۵ سے ۳۰ تک الف، ت، ن، ی، ع، ف، و، ل، ط، اور ک کی ردیفوں میں غزلیں ہیں۔ اس ضمن میں کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ صفحہ ۳۱ سے ۳۹ تک ۱۴۷ اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ اس کے بعد ہ، ی، الف، ظ، اور ز کی ردیفوں میں غزلیں ہیں جن کا سلسلہ صفحہ ۴۳ تک ہے۔ صفحہ ۴۴ سے ۴۹ تک ۱۲ بند کا ایک مخمس شہر آشوب ہے۔ اسی صفحہ سے ایک مسدس شہر آشوب صفحہ ۵۵ تک ہے۔ اسی صفحہ پر ۱۳ اشعار پر مشتمل ایک غزل شہر آشوب ہے۔ صفحہ ۵۶ سے ۵۹ تک و، س، ی، الف، ن کی ردیفوں میں ۶ غزلیں ہیں۔ اسی صفحے پر دو رباعیاں اور دو متفرق شعر ہیں۔ صفحہ ۶۰ اور ۶۱ پر ۱۲ فردیات اور چند مطلعے درج ہیں۔ صفحہ ۶۱ کے آخر میں بطور ترقیمہ صرف یہ عبارت درج ہے: "خاتمہ بقلم نین"

دیوان نین سکھ کا یہ نسخہ ناقص الاوسط ہے۔ صفحہ ۱۵ کا آخری شعر یہ ہے:

سائے کو میرے لیے جہاں میں
دامان اگرچہ ہو، تیرا ہی ہو

مذکورہ صفحہ کے آخر میں بطور ترک "نکلا خورشید" کے الفاظ درج ہیں جس کے مطابق اگلی غزل کا آغاز "نکلا خورشید" سے ہونا چاہیے، لیکن صفحہ ۱۶ پر نہ صرف مذکورہ ترک کے مطابق شعر نہیں ہے بلکہ اس صفحہ کا آغاز کسی دوسری نامکمل غزل کے اس شعر سے ہوتا ہے:

آیا کبھو نہ بر میں مرے پیار کر کے تو
اس آرزو میں عمر ہی ساری بسر کردی

اس غزل کا مطلع اور بقیہ اشعار جس صفحہ پر درج تھے وہ ضائع ہو چکا ہے۔

یہ دیوان مصنف کے قلم کا تحریر کردہ معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً یہ اس کی بیاض ہے جس میں اس نے بغیر کسی ترتیب کے اپنا کلام تحریر کیا ہے۔ اس نے متعدد مقامات پر نظر ثانی، ترمیمات اور اضافوں کا عمل کیا ہے۔ ترمیم و تنسیخ کا عمل مصنف کے علاوہ اور کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ ترمیمات، تنسیخات اور اضافوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلے اس طرح لکھا گیا تھا: نجیبوں سے ہرگز خوشی نئیں تمہاری
ترمیم شدہ: نجیبوں سے کیونکہ خوشی ہو تمہاری

۲۔ پہلی روایت: ہر روز مجھ کو عشق سے کیوں مانع ہوئے ہیں
ترمیم شدہ: . . . . . روکتا ہے تو

۳۔ پہلی روایت: آسماں پھٹ کے گر پڑا سارا
ترمیم شدہ: آسماں سارا ہوگیا غرباں

۴۔ پہلی روایت: بہتر ہے سب سے دوستی اللہ میاں کی نین
ترمیم شدہ: بہتر ہے سب سے دوستی اپنی خدا کی نین

۵۔ پہلی روایت: باغ میں کیا مزا ہے جانے کا — جب تلک ساتھ گلعذار نہ ہو
ترمیم شدہ: کیا مزا ہے شراب پینے کا — جب تلک پاس گلعذار نہ ہو

۶۔ دیکھتے ہی اس بت خوش خراماں کی طرف — پھر کبھو ہرگز نہ آیا میں گلستاں کی طرف

شاعر نے اس مطلع کے پہلے مصرع پر نظر ثانی کر کے لکھا "دیکھ کر ایسا جھکا" لیکن بعد میں اس ترمیم شدہ ٹکڑے کے آغاز و اختتام پر 'لا' لکھ کر سابقہ قرأت ہی کو بحال رکھا ہے۔

۷۔ صفحہ ۲۱ پر ایک غزل درج ہے: کس سیتی دل کا مدعا کہیے . . . الخ

یہ غزل دس اشعار پر مشتمل تھی۔ شاعر نے بغلی حاشیوں میں چار اشعار کا اضافہ کیا اور بقیہ دس اشعار میں بھی جزوی تبدیلیاں کیں لیکن بعد کو اسی غزل کے سات اشعار منتخب کر کے انھیں صفحہ ۲۲ پر درج کیا گیا ہے اور صفحہ ۲۱ پر خط تنسیخ پھیر دیا گیا ہے۔

املائی خصوصیات: نین سکھ بے حد غلط نویس تھا۔ وہ اکثر الفاظ کو بے موقع توڑ کیا جوڑ کر لکھتا ہے۔

۱۔ اس عہد کے بلکہ بعد کے عہد کے بعض شاعروں اور نقل نویسوں کے یہاں بھی یہ املائی خصوصیات ملتی ہیں۔ اور 'بیچان' اور "دمیں" تو ہمارے عہد کے بعض لوگ اب بھی لکھتے ہیں۔ خلیق انجم۔

جوڑنے کی مثالیں :

ایدل (اے دل) متکر (مت کر) بیجان (بے جان) دلمیں (دل میں)

ساریعالمکو (سارے عالم کو) بیشعوریکا (بے شعوری کا) بیطرح (بے طرح) جسگھڑی (جس گھڑی)

لوڈیونسے (لونڈیوں سے) اسمصرعپر (اس مصرع پر) سچکہ (سچ کہ)

توڑنے کی مثالیں :

چو بھا (چبھا) اٹھ کھیلی (اٹھکھیلی) لیجیے (لیجیے)، خوش آمد (خوشامد) کبھی وہ الفاظ کا املا یکسر تبدیل کر دیتا ہے مثلاً : حالم (حاتم)

ڈ، ڑ اور ٹ پر چار نقطے لگاتا ہے : بڈھا (بڈھا) انڈ (اڈ) پھوڑ (پھوڑ) چھوٹتے (چھوٹتے) طراقہ (طڑاقہ)

یاں کو یہاں اور واں کو وہاں لکھتا ہے۔

وہ کو وو بھی لکھتا ہے۔

پیش کی حرکت ظاہر کرنے کے لیے اکثر واو کا استعمال کرتا ہے، مثلاً : اوس (اُس)، اون (اُن)، ہائے مخلوط کو بعض جگہ حذف کر دیتا ہے، مثلاً بات (ساتھ) ہات (ہاتھ)

بعض الفاظ میں 'ہ' کا اضافہ کر دیتا ہے، مثلاً : جھوٹھ (جھوٹ)، تڑپھ (تڑپ)

ہائے مخلوط کو ہائے ہوز سے لکھتا ہے : پہر (پھر)، پہل (پھل)

غیر منقوط نون کی جگہ بھی منقوط لکھتا ہے، مثلاً : مین (میں)، نہین (نہیں)، یون (یوں)

گاف پر ایک مرکز لگاتا ہے، مثلاً : گر (گر)، گریباں (گریباں)، گریاں (گریاں)

یائے مجہول کی جگہ کبھی یائے معروف استعمال کرتا ہے، مثلاً : کی (کے)، بری (برے)

کبھی یائے معروف کی جگہ یائے مجہول استعمال کرتا ہے، مثلاً : دلدارے (دلداری)، نیکے (نیکی)، دل آزارے (دل آزاری)

زبان :

تذکیر و تانیث : دیوان کی زبان میں آج کل کے قاعدے سے اختلاف ملتا ہے۔ نین سکھ نے فغاں اور جاں کو مذکر باندھا ہے :

شمع کی آشنائی میں دیا آخر کو جاں اپنا
سناوں کس طرح اس کو میں فریاد و فغاں اپنا

کہیں کہیں واو عطف کا استعمال عجیب نامانوس طور پر ملتا ہے :

چاہو سو ہوو پر مجھے ایک بار دیکھنا

افعال :

دیوان میں افعال (و) کی متعدد مثالیں ملتی ہیں :

قابو میں آوتا تو نہیں ہے مرے رقیب
ہر نفس کو حیران کرے سووتے جگتے

تہرے آونے کی خبر سن کے پیارے
آقا ہو کے بجاوتے مردنگ

ہندی کے مخصوص افعال یا مصادر سے بنے ہوئے افعال بھی ملتے ہیں : چبلنا، چھیونا، بھاگنا، چھیکنا نون غنہ کے حذف یا اضافے سے واحد اور جمع کے صیغے بعض مقامات پر خلط ملط کر دیے ہیں، مثلاً :

اتنا ہیں سخن مان تو اک بار کسی کا
وہ تیرہ صدی جو سنے تھے سبھی

دیوان میں جدید عہد کی زبان کے برعکس متعدد مقامات پر نون کا استعمال ملتا ہے۔ یہ عمل اسم، فعل، حرف ہر جگہ پایا جاتا ہے :

میں نیں تو اس کو خوب ہی زیر و زبر کیا
جننے جدھر کو چاہا دل اپناں ادھر کیا

متعدد مقامات پر ہائے ہوز کے اضافے سے بعض الفاظ تلفظ کیے گئے ہیں :

اس قدر دل یہہ بے قرار نہ ہو
بولتے ہو نہہ کہیں مردم آگاہ غلط

ہائے مخلوط کے اضافے سے بھی بعض الفاظ تلفظ کیے گئے ہیں : جھوٹھ، تڑپھ، ہونٹھ

متعدد ساکن حروف کو متحرک استعمال کرتا ہے، مثلاً :

مت مل بتوں سے مجھ سے یہ آکر ذِکر کیا
خنک ہو گئے جیوں بَرف کی ڈلی

عَدَل کے لیے وہ پھرے کو بہ کو
یہ کہہ کر کے جلدی بیٹھا یا اَمَن

متعدد مقامات پر مخفف الفاظ کو مشدد تلفظ کرتا ہے:

تجھے ہجّوم میں ہم دیکھ کر یوں تاڑ جاتے ہیں
رحم ذرّا بھی نہ لانا وہ دل آزار کہیں
ہر فنّ میں عیار ہو بس تم کو بھی دیکھا

حروف علت (و، الف، ی) کے استعمال میں فراخدلانہ آزادی کا ثبوت دیوان میں جگہ جگہ ملتا ہے نین سکھ اکثر مقامات پر ان حروف کو دبا کر تلفظ کرتا ہے، لہٰذا دیوان کی قرات کے دوران اس امر کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا جائے ورنہ متعدد اشعار خارج از بحر معلوم ہوں گے۔

ظفر اقبال

شعبۂ اردو
ٹوکیو یونیورسٹی، جاپان

غزلیات

کب دخل تری بزم میں ہو یار کسی کا — مشکل ہے پہنچنا نہیں وہاں یار کسی کا
شکوہ نہ کر اے دل کبھو زنہار کسی کا — ہو جائے مبادا تو گنہ گار کسی کا
جو بات پتے کی ہو اسے سُنتے ہی پی جا — کہیں فاش نہ ہو راز خبردار کسی کا
یاروں میں جو یاری ہے سو سب باتیں ہیں سن لو — دنیا میں کہاں ہے کہیں کوئی یار کسی کا
کھڑکے ہے جگر نہ پچھرے، تیر کی مانند — بے طرح چبھا چشم میں یہ خار کسی کا
مختار ہے اب نیکی بدی، چاہے سو کرے — اس دور میں نہیں کوئی روا دار کسی کا
اس بھانت ملے غیر سے پی پی کے قدح بھنگ — جس طرح کہ لڑکا ہو کوئی خوار کسی کا
گلیوں میں پھرے سیف نکالے ہے شب و روز — یہ شوخ تو ہے درپے آزار کسی کا
دلداری تو ڈوبی ہے، دلآزاری بھی مت کر — اتنا ہی سخن مان تو اک بار کسی کا
خوش کیجے کسو کو تو سبھی آفریں بولیں — کیا فائدہ دل کیجیے بیزار کسی کا
کہیے جو بھلے کی تو بری لگتی ہے تجھ کو — خاطر میں نہیں تیرے مگر پیار کسی کا
تب حسن (و) قبح عشق کا ہووے تجھے معلوم — جب ہووے کہیں تو بھی گرفتار کسی کا
پھر نینؔ تجھے دیکھے کوئی ایک نظر بھی
پھر کچھ نہ رہے اس کو سروکار کسی کا

تماشا ہے اگر خلقت سبھی زردار ہو پیدا — نہ پوچھے کوئی کسی کو پھر عجب آزار ہو پیدا
نہیں ہو تو بلا سے مت کوئی دلدار ہو پیدا — پر اتنا تو کہیں ہو، موجب درکار ہو پیدا

تو ئی رازق حقیقی ہے جو دیوے سارے عالم کو ترے ثانی کوئی یارب کہاں داتار ہو پیدا
یہی ہے آرزو دل میں کہ کر دے دیدۂ روشن تو ہر اک ذرّہ سے مجھ کو ترا دیدار ہو پیدا
ہیں خوبصورت بہت اب بھی اور آئندہ بہت ہوں گے یہ ممکن ہے کوئی تجھ سا پری رخسار ہو پیدا
نہ فرما غیر کو کچھ اب، سو تو اپنے طالب کے غنیمت ہے اسے تیری اگر بیگار ہو پیدا
ترے خوش قد کی رفتاری کو دیکھے سرو گلشن میں تو پھر بے شک قیامت کا وہاں آثار ہو پیدا
یہ جتنا سبزہ ہے جگ میں، نہ پاوے خط کے سبزے کو زمیں کو پھوڑ کر قصداً اگر صد بار ہو پیدا
جدھر تو ناز سے دیکھے، اٹھا کر چشم مخموریں بجائے خس اُدھر فوراً گل و گلزار ہو پیدا
پڑھے کوئی شعر ناموزوں اگر قابل کی محفل میں تو ہر اک حرف سے اس کے عجب تکرار ہو پیدا
بغیر از وصل کے، اس کی دوا نہیں ہے طبابت میں ازل سے جو کوئی تجھ عشق کا بیمار ہو پیدا
اگر تو گاہ باشد پیار سے ہم سے ہنسے بولے تو آنکھوں میں رقیبوں کے بڑا ہی خار ہو پیدا

اگر کوئی نینؔ پاوے تجھ سخن کے طرز رنگین کو
تو ہر مصرع سے تیرے مطلع انوار ہو پیدا

بہتوں نے جسے عرش پہ بے جان میں دیکھا ہم نے تو اسے جیتے جی اس جان میں دیکھا
مجنوں تھا ہم آغوش لیے لیلیٰ کو اپنی یارو یہ تماشا میں بیابان میں دیکھا
جاوے کبھی پھر آوے کبھی کئی شکل سے ہر بار چکّر سیں کہاں، پر یہ مزا تان میں دیکھا
فاقہ ہی رہے روز، نہ کچھ کھانا نہ پینا یہ دور میں نے حضرت رمضان میں دیکھا
سب رات لڑیں ٹوٹنے چھچھوندر کی لڑائی بھونچاؔ میں نے چھوٹتے شعبان میں دیکھا
گو میوے ہزاروں ہیں اور ہیں نعمتیں لاکھوں پر سب سے سرس ہم نے مزا نان میں دیکھا
ہر شعر تڑاقے کا، ہر اک بات تماشا ایسا تو میں نے سوؔدا کے دیوان میں دیکھا
ہر نفس کو حیران کرے سوتے جگتے اس فن کو میں حضرتِ شیطان میں دیکھا
کچھ بات کہے ہنس کے تو جھڑتے ہیں نرے پھول لطف یہ ترے اس لب خندان میں دیکھا
ہنستے ہی کرے دیر نہ لڑتے ہی کرے دیر یہ طور ترا طفلکِ نادان میں دیکھا

گو سرو ترے قد کا ساموزوں تو نہیں ہے پر کہنے کو لاچار میں بستان میں دیکھا
جو چاہ زنخ نہ بچ گرا، پھیر نہ نکلا ایسا تو کئی بار میں ہر آن میں دیکھا
کوچے کا گیا تیرے، کوئی پھرتا نہیں ہے میں خوب ہی کر غور گریبان میں دیکھا

تجھ چشم کی تشبیہ کو نرگس کا ذکر کیا
سو بار اسے میں نے گلستان میں دیکھا

جس دم چمن میں سہج ہی تو نے گزر کیا گل نے نثار تجھ پہ تمام اپنا زر کیا
بلبل کی، گل کی، وصل میں کیا خوب بن گئی گویا بہم کسی نے یہ شیر و شکر کیا
جب دور دور ظلم کا دیکھا ترا عیاں تب ہار کر کے یار میں آہن جگر کیا
کیا تاب ہے رقیب کی ہو سامنے ترے میں نے تو اس کو خوب ہی زیر و زبر کیا
واعظ کی بے شعوری کا میں کیا بیاں کروں ق مت مل بتوں سے، مجھ سے یہ آکر ذکر کیا
سنتے ہی سوختہ ہو کے کہا میں نے یہ اسے جا خیریت سے، دیکھ خدا کا میں ڈر کیا
ملتا ہوں گل رخوں سے تو میں اب، آپ کو اس میں تری گرہ کا بتا کیا ضرر کیا
عاشق تو سب نڈر ہیں کسو کے ہی بس کے نئیں جن نے جدھر کو چاہا دل اپنا اُدھر کیا
یارے وہاں چشم (؟)، سے، جھکتے ہی اٹھ گیا میں بھی کلام طول کو پھر مختصر کیا
ہر چند ہم نے غم میں ترے چشم تر کیا تجھ سنگ دل میں لیک نہ کچھ اثر کیا
جی دے چکا ہوں ہجر میں فریاد کیا کروں آہ و فغاں و نالہ ترے سب نذر کیا
نے خط، نے پیام، نہ کچھ بھیجنا سلام نے آپ ہی اب تلک کبھو ایدھر گزر کیا
آنے کی کہہ گئے تھے سو آئے بھلے شتاب تارے ہی گنتے شام سے یاں تو سحر کیا
میرا کیا تو سارا وہ برباد ہی گیا تو نے جو کچھ کیا سو میاں خوب تر کیا
فرہاد سے غریب کو شیریں کے عشق نے رسوا کیا، خراب کیا، در بدر کیا

منزل کو اپنی، زود ہی پہنچا ہے نینؔ
جن نے کہ اس جہان سے عزمِ سفر کیا

کیا بے طرح سے جاتی ہے اک جان دیکھنا — یارو خدا کے واسطے یہ آن دیکھنا
کیا حسن کیا غرور سے آتا ہے بے نظیر — اس شوخ دلربا کی ٹک اک شان دیکھنا
اندازا اس کی خوبی کا کہتے نہ بن سکے — مکھڑے پہ اس کے زلف پریشان دیکھنا
غنچہ دہن کا سیر کرو شوق سے لیکن — چاہ زنخ ہے آ کے جہر بان دیکھنا
منظور اپنی طبع کو ہرگز نہیں ہے یہ — مجنوں کو دشت نیچ میں حیران دیکھنا
کر کے خضاب ڈاڑھی کو، نکلا ہے آج شیخ — اس بے حیا کی صورتِ شیطان دیکھنا

دنیا میں یادگاری کو کرتا ہے فکر نینؔ
اس کا بھی کوئی دنوں میں یہ دیوان دیکھنا

کیا اس کو لکھوں پیام اپنا — لینا ہی نہیں سلام اپنا
اس دل نے کیا ہے کام اپنا — اس بت کو کیا ہے رام اپنا
چاہوں نہ ترے سوا کسی کو — شیوا ہے یہی مدام اپنا
دیتا ہے گلوں کے تئیں طراوت — یاں تک ہے یہ تر، مشام اپنا
افسوس تری گلی میں ہم نے — قصہ ہی کیا تمام اپنا
دل لیلیٰ کو دے کے دشت میں جا — مجنوں نے کیا ہے نام اپنا
پھندے میں لیا مجھے لبھا کر — یہ زلف سیہ ہے دام اپنا
لے مفت میں مجھ سے نقد دل کا — مفسد نے کیا طعام اپنا

تس پہ غضب کہ نینؔ وہ شوخ
سنتا ہی نہیں کلام اپنا

یار کا وصل شبا شب نہ ہوا تھا، سو ہوا — ساغرِ عشق لبالب نہ ہوا تھا، سو ہوا
لے چکا دل کو وہ جھ ہاتھ سے تب میں نے کہا — اس قدر تیرا مطالب نہ ہوا تھا، سو ہوا
جور اور ظلم سے دنیا میں یہ خوباں کا اسم — بے وفائی کا ملقب نہ ہوا تھا، سو ہوا

کرنا تسخیر ہر اک دل کو دو اک باتوں میں — اس طرح کا بھی عجائب نہ ہوا تھا، سو ہوا
روز لگتا ہے ترے کان سے جا جا کے رقیب — کسو کا اتنا مراتب نہ ہوا تھا، سو ہوا
غیروں کی، بزم میں ترے اب تو یہ کچھ کثرت ہے — یعنی ہر کوئی مصاحب نہ ہوا تھا، سو ہوا

مہر استاد کی سے دیکھو تو اس نین کے تئیں
شعر کہنے کا کبھی ڈھب نہ ہوا تھا، سو ہوا

مل جائے کہیں وہ یار اپنا — کر رکھوں گلے کا ہار اپنا
جب بات کہے ادا سے ہنس کر — کر ڈالوں یہ دل نثار اپنا
یارب ہو کہیں شتاب ایسا — دیکھوں میں وہ نو بہار اپنا
مدت سے پڑا ہوں بس میں اس کے — جادو ہے وہ گلعذار اپنا
آتی ہی نہیں زباں سے اب بات — یاں تک ہوں میں شرمسار اپنا
جو حق کی رضا ہے، سو ہی سچ ہے — جھوٹا ہے سب اختیار اپنا
کیا جا کے کروں گلی میں تیری — کچھ بھی تو نہیں شمار اپنا
تس پر یہ رقیب کی شرارت — دکھلاتا ہے مجھ کو پیار اپنا

اس دوستی پہ نہ بھولیو نینؔ
دشمن ہے یہ در کنار اپنا

ناگن ہے زلف یار نہ زنہار دیکھنا — اُڑ اُڑ کے کاٹتی ہے خبردار دیکھنا
کہتے ہیں لوگ مجھ سے یہ کھا کھا کے اب قسم — خونخوار ہے یہ شوخ ستمگار دیکھنا
شیریں دہن نہ بوجھیو، ہیں شہد کی چھری — ہنس ہنس کے جان لیں ہیں یہ اطوار دیکھنا
کہتا ہوں در جواب انھوں کے میں رو برو — چاہو سو ہو پر مجھے اک بار دیکھنا ہے
قابو میں آ دتا تو نہیں ہے مرے رقیب — کہیں داؤ بن گیا تو میرے یار دیکھنا

شانہ، سمجھ کے کیچو زلفوں کو اپنی یار
الجھا ہے اس میں دل یہ گرفتار دیکھنا

دل خوش ہوا کہیں تو پھر اپنا یہ ہے شعار
جا کر کے باغ میں گل و گلزار دیکھنا

اپنی نظر تو نینؔ خدا پر ہے، ہو سو ہو
جو آن باز کھائے سو لاچار دیکھنا

نہیں ہے تجھ سوا کوئی دوسرا اب دلستاں اپنا
کہ جس کو درد دل جا کر سنا دیں اے میاں اپنا

جہاں میں جستجو کی سب عمر پر اب تلک ہم نے
نہ دیکھا قدرداں اپنا نہ کوئی مہرباں اپنا

مجھے پروانہ پر یارو بڑا افسوس آتا ہے
شمع کی آشنائی میں دیا آخر کو جاں اپنا

خبر لے آ کے جلدی اپنے عاشق دیدہ گریاں کو
وگرنہ سوختہ ہوتا ہے ابھی دل شمع ساں اپنا

گئی آخر خفا ہو کر کے ایسی گل کے ہاتھوں سے
چمن میں پھیر بلبل نے نہ دیکھا آشیاں اپنا

مجھے اس فصل گل میں ہر گھڑی حسرت یہ آتی ہے
کسو کو بھی کیا ممنوں نہ تو نے باغباں اپنا

ترا اندوہ، درد اور فکر، حسرت اس میں رہتے ہیں
عجب ترکیب سے آباد ہے یہ خانماں اپنا

تجھے ہجوم میں ہم دیکھ کر یوں تاڑ جاتے ہیں
کہ جیوں لشکر میں بولیں دور سے وہ ہے نشاں اپنا

وہ دل دیتا نہیں ہے نینؔ ہرگز اپنی باتوں پر
سناؤں کس طرح اس کو میں فریاد و فغاں اپنا

وہ یار ہم سے خفا ہے تو ہو، ہوا سو ہوا
پھر اس کا قصہ ہی کیا، جانے دو ہوا سو ہوا

اگر رقیب شرارت سے باز نہیں آتا
بلا سے اپنی کنوئیں میں پڑو، ہوا سو ہوا

ہر اک بات میں تم کیوں الجھتے ہو یارو
دیکھو یہ مفت گدھے مت چڑھو، ہوا سو ہوا

یہ سارا قضیہ تو ہم سے ہے، اس سے تم کو کیا
تم اپنے ایک طرف ہو رہو، ہوا سو ہوا

ہم اپنا آپ ہی کر لیں گے انفعال اس سے
ہمارے بیچ کوئی مت پڑو، ہوا سو ہوا

یہ سب لڑانے کی باتیں ہیں تم جو کہتے ہو
ذرا تو خیر کا کلمہ کہو، ہوا سو ہوا

ہمیں تو یار سوا اپنے، تئیں کسو سے کام
برا کسی کو لگے تو لگو، ہوا سو ہوا

رنگا ہے اب تو زمانے نے خوب کالا رنگ
یہ لال، زرد دکھائی کرو، ہوا سو ہوا

گر اُن بتوں سے تری نینؔ پیش نہیں جاتی
تو پھیر بے ہودہ کیوں بکتے ہو، ہوا سو ہوا

جفا کا اس کی گلہ مت کرو ہوا سو ہوا
خدا کے واسطے چپکے رہو، ہوا سو ہوا

سنے گا وہ تو خفا ہوگا پھر نئے سر سے
کسو کے کان میں کچھ مت کہو، ہوا سو ہوا

یہ گفتگو جو کرو ہو سو کچھ بھلی نہیں ہے
کسی سے فعل عبث مت لڑو، ہوا سو ہوا

مجھے تو پاک محبت ہے، مت کرو بدنام
کہیں خدا کے غضب سے ڈرو، ہوا سو ہوا

پھرے ہے وہ تو سپر، سیف لے، ارے یارو
کسی سے قضیہ نہ ہو دیکھیو ہوا سو ہوا

یہ مرض عشق ہے اس کی دوا کرو موقوف
طبیب مفت میں رسوا نہ ہو، ہوا سو ہوا

گرا جو چاہ زنخ میں کوئی، تو یوں بولا
سزا ہے، غوطہ ذرا کھانے دو، ہوا سو ہوا

سنا جب ان نے فلانا تو آج، مر ہی گیا
کہا بلا سے مری، کوئی مرو، ہوا سو ہوا

اگر نصیب میں ایسا ہی کچھ لکھا ہے نینؔ
تو پھیر بس نہیں لاچار، جو ہوا سو ہوا

تیری گلی میں جو کوئی دھوکے سے جا پھرا
بے واسطہ کو زخم وہ سینے پہ کھا پھرا

کیا جانے کیا بلا ہے ترے کوچے میں صنم
جو کوئی پھرا، سو واں سے نہایت خفا پھرا

ہے نام آشنا کا لیکن آشنا کہاں
اپنا سا میں کروڑ جگہ آزما پھرا

پوچھے کوئی کسی کو سو امکان ہی نہیں
ناپُرسی کا یہ دور اتو کہا بھلا پھرا

اب کیا کہوں نصیبوں کو سچ ہے بقول میرؔ
"اِدھر تو ہم سے تم پھرے اودھر خدا پھرا"

میرا تو دل پھرا تھا برہمن کی شکل سے
پربت کو دیکھتا ہوں تو وہ بھی بھلا پھرا

پیغامبر کے آنے کا مت نینؔ کر خیال
دیوار قہقہہ کا نہ کوئی گیا پھرا

جس کے گھر ناز سیتی چل کے وہ جانا آیا
گویا بنگالہ کا، گھر اس کے خزانہ آیا

لطف سے جس کو شہ حسن کا نامہ آیا
قبضہ میں اس کے تمام حاصل کا مادہ آیا

چٹپٹی دل کی بجھی یار کے دیکھے سے یوں
بھوکے کو جیسے کہیں سے گویا کھانا آیا

چاہا جب میں نے، کہوں تجھ سیتی مطلب اپنا
کچھ نہ کچھ یاد تجھے وو نہیں بہانہ آیا

خوں بہائے گا یہ پروانے کے جی کا جب تو
لازم ہر ایک سے کے تئیں شمع جلانا آیا

لاکھ سر مارو اگر تو بھی نہ پوچھے کوئی　　آنکھوں کے دیکھتے یہ زور ہی زمانہ آیا

گھر بہ گھر بھرنے کی عادت ہے تری جیوں خورشید
مہر سے نینؔ کے گھر لیک نہ آنا آیا

ذرا کیجیے غور حضرت سلامت　　یہ کیا سیکھا ہے طور حضرت سلامت
مناسب نہیں ہم غریبوں کے اوپر　　کرو اس قدر جور، حضرت سلامت
تمھیں چھوڑ کر اب کہیں در دکس سے　　ہے کوئی دوسرا اور حضرت سلامت
نہیں جانتے تم سوا ہم کسی کو　　ہمارے ہو سر مور، حضرت سلامت
ہر اک دانے میں دل پڑے دیکھتا ہوں　　زہے پہنچے بلّور، حضرت سلامت
اسی آستانے بغیر ہم کو جگ میں　　نہیں ہے کہیں ٹھور حضرت سلامت
لگائی ہے صندل کی تم نے جبیں پر　　قیامت ہے یہ گھور، حضرت سلامت
نہیں بولتے ہم سے، سو کیا سبب ہے　　یہ کہہ دیجیے فی الفور حضرت سلامت
نجیبوں سے کیوں کر خوشی ہو تمہاری　　کمینوں کا ہے دور حضرت سلامت

بس اب کیجیے معاف دیکھیں تماشا
نکلتی ہے گنگور، حضرت سلامت

کسو کی عقل میں آیا نہیں یہ راز ہنوز　　مرغ دل کس لیے کرتا ہے یہ پرواز ہنوز
اور سب مانی نے تیری تو بنائی تصویر　　پر درست ہو نہ سکی چہرے کی پرواز ہنوز
شمع رو دیکھ ترا، ہوئے شمع شرمندہ　　کہیں دیکھا نہ سنا کوئی ترے دم ساز ہنوز
ہو گیا آہ سے میری تو مشبک سب عرش　　لیک پہنچی نہ ترے کان تک آواز ہنوز
حشر تک دید میسّر ہو ترا، سو معلوم　　پر کیے جاتا ہوں، اپنی سی تگ و تاز ہنوز
چرخ ظالم کی خوشامد تو بہت کی لیکن　　ظلم اپنے سے نہ آیا کبھو وہ باز ہنوز
کر دیے آن میں سو لخت، جگر کے میرے　　تیغ ابرو کا عجب کاٹ ہے طنّاز ہنوز
غیر کے بر میں، میں دیکھوں ہوں نپٹ خوش تجھ کو　　ہم سے ہر بات میں قضیے کا ہے آغاز، ہنوز

جفا و جور ہی سمجھیں ہیں دلستاں افسوس　　وفا کے نام سے بھاگیں ہیں یہ بتاں افسوس
شمع کو جلتے، نہیں دیکھ سکتا پروانہ　　تصدّق ہو کے وہ دیتا ہے اپنی جاں افسوس
سنی نہ تم نے کبھو دل کی داستاں میری　　یہ کہتے کہتے گئی ساری گھس زباں، افسوس
کرم رقیبوں کے اوپر، ستم غریبوں پر　　یہ دیکھتے ہی گیا جھ کو جاوداں، افسوس
ترا یہ بوس و کنار ہم کو کیوں کہ ہو حاصل　　زمین سخت ہے اور دور آسماں، افسوس
جو مدّعا ہے مرے دل کا مستتر یارو　　کرے ہے آہ اسے فاش ہر زباں افسوس

سب اپنی غرض کے ہیں نینؔ یار دنیا میں
نہیں کسو کا کوئی دوست، مہرباں افسوس

ہیں تو تحقیق سبھی یہ بت گمراہ غلط　　لمبی پوششیں انھوں کی ہے مع وجاہ غلط
راز اس عقدہ لاحل کا کوئی پاتا نہیں　　کیوں کرے ہے یہ مرے حق میں مری آہ غلط
نہ سنا آج تلک ہم نے کسو کے منہ سے　　بولتے ہوں کہیں مردم آگاہ غلط
جو کہیں بات زباں سے سو ہے پتھر کی لکیر　　کب کہیں حق میں کسو کے جو دل آگاہ غلط
آنا تیرا تو مرے یار بعلم عند اللہ　　لوگوں کے منہ کی ہے سب طرح یہ افواہ غلط
دیکھنے سے تو کبھو بھی نہ ہٹے دل ہرگز　　گر زنخ نیچ نہ ہووے ترے یہ چاہ غلط

نینؔ ہرگز تو دل اپنے میں گرانی مت لا
حرف بے جا کہے کوئی تجھ کو گر از راہ غلط

دلدار ہوا ناخوش، اب دل کا خدا حافظ　　نظروں میں لگا لڑنے بسمل کا خدا حافظ
خنجر سے مژہ کے یہ سب سینہ کیا زخمی　　کچھ بس ہی نہیں چلتا گھایل کا خدا حافظ
کس طرح کوئی جیتے، ناداں سے پڑا پالا　　بے طرح کی خواری ہے، عاقل کا خدا حافظ
غیروں سے چلتا ہے، یاروں سے بچلتا ہے　　چھوتے ہی مچلتا ہے چنچل کا خدا حافظ
اپنی ہی وہ کہتا ہے پر اور کی نہیں سنتا　　ہر اک سے الجھتا ہے، جاہل کا خدا حافظ

شہ گُل کی خبر آئی، آتا ہے لیے لشکر　　گلشن میں پڑی کھل بل، بلبل کا خدا حافظ
میں تجھ کو نہ کہتا تھا، مت نین بتوں سے مل
دل دے کے ہوا رسوا اب دل کا خدا حافظ

اتنا سکے ہے آپ کو گرچہ جلائے شمع　　پروانے کے مذاق کو تو بھی نہ پائے شمع
سرتا قدم ہے یار جیسے سوز اور گداز　　پہلے ہی سب سے بزم میں یہ کیوں نہ آئے شمع
لگ جائے ماہ رو کا اگر ہاتھ ناز سے　　کب پیرہن میں اپنے خوشی سے سمائے شمع
شعلے کو تیرے نور کے کہیں دیکھے اگر　　خاطر میں پھر کسی کو ذرا بھی نہ لائے شمع
پردے میں مارے شرم کے لاچار ہے وے　　پروانہ پاس پہنچے ابھی پر لگائے شمع
کہہ کیا خیال تھا کہ یہ پروانے کی طرح　　یوں مفت جی جلاتے دیا تو نے ہائے شمع
کیا تاب اک قدم بھی تجھ آگے وہ چل سکے　　خدمت میں تیری رہوے کھڑی ایک پائے شمع
جی لیتے ہی ڈرے ہے نہ جی دیتے ہی ڈرے　　کیا جانے کچھ یہ کیسی ہے یارو بلائے شمع
مت پوچھ راز شوخ کا تو نین اور سے
کس واسطے کہ کون ہے محرم سوائے شمع

دیکھتے ہی اس بتِ خوش قد خراماں کی طرف　　پھر کبھو ہرگز نہ آیا میں گلستاں کی طرف
جو کہ غفلت میں پڑے ہیں سو تو ہیں سب بے نصیب　　اب تلک ڈالے پڑے ہیں سر گریباں کی طرف
زندگی جن کے تئیں گو تھی نپٹ کر کے عزیز　　وے تو دوڑے پینے کو آبِ حیواں کی طرف
بعضوں نے چاہا کہ ہم بھی دیکھ لیں تو کچھ بنے　　ق　اٹھ چلے ہے دیکھنے کو تیرے بستاں کی طرف
جب نظر آئی ترے کوچے میں کٹّی بھیڑ بھاڑ　　بزدلے جی لے کے بھاگے تب بیاباں کی طرف
رُپ گئے عاشق ترے دل کے جو کوئی مرد تھے　　پل گئے چالاکی سے زلفِ پریشاں کی طرف
عاشقی کچھ خانۂ خالہ نہیں سو پیش جائیے　　سر کے بدلے دیکھنا ہے ماہ رویاں کی طرف
یاد میں اس کی فنا ہو اور خودی کو چھوڑ دے　　تب میسّر ہو تجھے کہیں ماہِ تاباں کی طرف
اس حقیقت کو تو جانیں نین جو ہیں اہلِ دل
شیر خواروں کی ہے حرکت آب اوزاں کی طرف

دوری سے تیری یار بڑھا ضعف یہاں تلک　　طاقت نہیں سخن کی جو پہنچے زباں تلک
تجھ ہجر کا تو ہے ہی نہیں انتہا کہیں　　ہر چند جی میں غور کیا میں جہاں تلک
اس ماجرا کو جا کے کہوں کس کے روبرو　　میری تو دوڑ ہے گی ترے آستاں تلک
میں ہوں زمیں پہ اور فلک ہشتمیں پہ تو　　پر ہو ویں تو بھی اڑ کے نہ پہنچوں وہاں تلک
کیا منہ ہے تیرے کوچے میں جاوے کوئی صنم　　دشوار ہے پہنچنا ترے خانماں تلک
اب تو پہنچ رہے گی ترے کان میں کبھو　　آہ و فغاں گئی ہے مری آسماں تلک
گل کے ستم کی ماری چمن سیتی عندلیب　　ایسی گئی کہ پھر نہ پھری آشیاں تلک
آوے بہار جلدی سے ایسا خدا کرے　　کس کس خوشی سے جائیے پھر بوستاں تلک
کہنا کسی کا یار ترے بھاویں ہی نہیں
اس داستاں کو نین کہے اب کہاں تلک

تجھ تیغ کی نگہ سے مرا کٹ گیا ہے دل　　بھیتر سینے کے ٹکڑے ہو کر پھٹ گیا ہے دل
جب سے جمال تیرا میں دیکھا ہے اے صنم　　تب سے سبھی طرف سے مرا ہٹ گیا ہے دل
انداز ناز قہر ہے اس کے نہ میں کہوں　　پر خال و خط میں جا کے ترے بٹ گیا ہے دل
آگے کو بڑھ سکے ہے نہ پیچھے کو ہٹ سکے　　یاں تک ترے خیال میں اب ڈٹ گیا ہے دل
ذرا سے دیکھتے ہی یہ بدلی نظر تری　　من میں چھٹنکی سیر پیچھے گھٹ گیا ہے دل
ہوتا ہے شب کو جا کے ہم آغوش غیر سے　　یہ بات سن کے یار نپٹ چھٹ گیا ہے دل
جیسا ہے سبز خط تیرا اور شوخ چشم
ان دونوں بیچ آ کے میرا لٹ گیا ہے دل

چاہتا ہوں کہ ملے یار وفادار کہیں　　کیا کہوں ہے ہی نہیں جگ میں وہ زنہار کہیں
ہر گھڑی زخم کریں سینے پہ تیغے کی مثال　　نچلے رہتے ہی نہیں ابروئے خم دار کہیں
سیم و زر لے کے دوڑیں ہیں خبر سن سن کر　　کب ہٹیں دیکھ کے یوسف کو خریدار کہیں

جیتے جی منزل مقصود کو پہنچو سو بخیر   بعد مرنے کے کہیں ہیں ملے دیدار کہیں
جو ملے سو ہی جفا پیشہ، ستم گر، بیدرد   یعنی دیکھے ہی نہیں ایسے طرح دار کہیں
کم نصیبی سے کسو طرح نہیں ہے چارہ   ورنہ بے مہری کریں کیوں مرے دلدار کہیں
آمد اور رفت ہے دنیا کی کبوتر خانہ   گل سے خالی نہ رہے جگ کا یہ گلزار کہیں
دائم المرض شفا پاوے یہ تو ممکن ہے   چنگا ہوتا نہیں تجھ چشم کا بیمار کہیں
کم نگاہی سے یہ ظالم نے کیا غارت دل   رحم ذرّا بھی نہ لایا وہ دل آزار کہیں
وہ جو اک تولہ کئی ماشہ تھی یاری تم سے   رتّی بھر بھی نہ رہا اس میں کچھ آثار کہیں
واہ واہ چاہیے ایسا ہی تمہیں رحمت ہے   بار دیگر نہ کرے پھر کوئی تکرار کہیں

یہ جو کچھ جور و جفا تم نے کیا نینؔ اوپر
ایسا کوئی کرتا ہے بتلا تو بھلا یار کہیں

ناصح نہ بک زیادہ مرا مان یہ سخن   مجھ سیتی چھوٹے عشق، ہے امکان یہ سخن
تسبیح، نماز، روزہ سے مجھ کو نہیں ہے کام   میں بت پرست ہوں مرا پہچان یہ سخن
ہر روز مجھ کو عشق سے کیوں روکتا ہے تو   آخر کو کھو رہا ہے تری جان یہ سخن
دلدار، دلربا ہیں مرے دل کے مشتری   میں ان کا دکزا، ہوں مری جان یہ سخن
اتنے میں میرا یار مرے پاس آگیا   کہنے لگا کہ کیا ہے مہربان یہ سخن
اس بے حیا سے کاہے کو خالی کرو ہو مغز   یہ بے وقوف ہے جو کہے آن، یہ سخن
طالب کو معرفت کے، سبھی چیز ہیں معاف   اکثر کے کہہ گئے ہیں قدردان یہ سخن
القصّہ ہو خموش، کیا میں نے یہ یقیں   جب منہ سے یار کے پڑا مجھ کان یہ سخن

بہتر ہے سب سے، دوستی اپنی خدا کی نینؔ
فعل عبث ہے یاری، گیہان یہ سخن

فصل گل میں ہر گھڑی یہ ابرو باراں پھر کہاں   دیکھ لو خوش ہو کے یاراں یہ بہاراں پھر کہاں

ہے سعادت قمریو اس کے تصدق ہو چلو   ورنہ کوئی دن کو یہ سرو خراماں پھر کہاں
آج آئی ہے نظر مجھ دل کے شیشے میں پری   دیکھ لو لحظہ میں یہ صورت نمایاں پھر کہاں
میں چمن میں پی کے مے کو اس لیے کہتا ہوں پیر   کون جانے ساقیا یہ گلعذاراں پھر کہاں

قول ہے حضرت یقیںؔ کا تب تو یوں کہتا ہے نینؔ
بھر کے دل رو لیجیے یہ چشم گریاں پھر کہاں

جن نے مجھ دل کو لیا کل تھا چرا آنکھوں میں   آج پھر بھی وہی آتا ہے چلا آنکھوں میں
یارو اس شوخ کی حرفت کا بیاں کیا کیجے   مجھ کو ممنون کیا رہ کے ذرا آنکھوں میں
رحمت ہے آفریں، شاباش تری دانش کو (؟)   غرض ملنے کی مرے تاڑ گیا آنکھوں میں
رفت اور روب میں مژگاں سے کیا ہے گھر کو (؟)   کیا بنائی ہے ترے واسطے جا آنکھوں میں
تجھ سوا کون ہے ایسا کہ جسے میں چاہوں   تو ہی بستا ہے میرے یار سدا آنکھوں میں
کیوں نہ ہر ایک کے ملنے میں کرے یار حجاب   وہ تو دکھتا ہے نپٹ شرم و حیا آنکھوں میں

روئے وہ مردمک دیدہ اگر تجھ کنے نینؔ
ہو کے بیتاب یہی کہیو کہ آ آنکھوں میں

دیکھ کر حسن یار آنکھوں میں   ہو گیا بے قرار آنکھوں میں
چشم تیری کو دیکھ کہتا ہوں   خوب پھولی بہار آنکھوں میں
اک نظر تجھ کو دیکھتے ہی میاں   بڑھ گیا انتظار آنکھوں میں
گرچہ تقصیر دل کی ثابت نہیں   پھر یہ کیوں ہے غبار آنکھوں میں
کب زباں سے کہوں مرے، اس کے   ہو گیا جو شمار آنکھوں میں
بعد مدت کے میں ملا اس سے   وہی پایا ہے پیار آنکھوں میں

نینؔ اپنے کو کیوں ستاتے ہو
آ کے بے اختیار آنکھوں میں

جو بات منع کی ہے اسے کہیے کیوں — جو شئے کہ حرام ہے گی اسے کھیئے کیوں
کھوٹا ہو اگر دام ہی اپنا، یارو — صرّاف کو پھر عیب عبث لیئے کیوں
خطرہ ہے صریح جی کا سمجھ دیکھ تو جی میں — جو راہ کہ مرتے ہوں اُدھر جیئے کیوں
جس بستی میں انصاف کا کہیں نام نہ ہووے — اس بستی میں پھر فعل عبث رہیے کیوں
بات اپنی پیش نہ جاتی ہووے
بے فائدہ پھر بولنا واں چاہیے کیوں

دیکھیے نہیں کسو کو تو پھر لیجیے بھی نہیں — نیکی نہ بن سکے تو بدی کیجیے بھی نہیں
توقیر حسن شرط ہے دل دینے کے لیے — گر حسن ہی نہ ہو تو کبھو ریجھیے بھی نہیں
ہووے اگرچہ اپنی شرافت او پر نگاہ — ہرگز بدی کے کام پہ دل دیجیے بھی نہیں
ایدھر سے سیتے جاؤ اور اودھر سے پھٹتا جائے — ایسے طرح کے کپڑے کو پھر سیجیے بھی نہیں
دینا دلانا سارا ہے اک نام کے لیے — گر نام بھی نہ ہو تو عبث چھیجیے بھی نہیں
کوئی سا معاملہ ہو پہلے چھان لیجیے — یکبارگی بھڑک کے کبھو کیجیے بھی نہیں
مے کا مزا تبھی ہے کہ جب ماہ رو ہو پاس
گر ماہ رو نہ ہووے تو مے پیجیے بھی نہیں

یار کے دل میں گر پیار نہ ہو — اس قدر دل یہ بے قرار نہ ہو
اس صنم سیتی پھر ملیں کیا خوب — دل میں اپنے اگر غبار نہ ہو
سچ کہہ بلبل تو کیا کرے گل کو — باغباں گر خود اختیار نہ ہو
جو کہ دل کینہ دار ہے اس کا — عاشقوں میں کبھی شمار نہ ہو
کیا مزا ہے شراب پینے کا — جب تلک پاس گلعذار نہ ہو
دیکھے اُٹھ کھیلی سے بتھے چلتے — کیوں نہ پھر سرو شرمسار نہ ہو
فعل عبث کو، جو زندگی کو نینؔ
بس میں اپنے اگرچہ یار نہ ہو

کہی نہیں جائے آہ، مت پوچھو — لگی ہے چوٹ، چاہ مت پوچھو
اس شکر لب کے کچھ نہیں بھائیں — ہنسنے ہے قاہ قاہ مت پوچھو
مفت مرنا ہے اس کے کوچے میں — کوئی اودھر کو راہ مت پوچھو
ہنس کے بولیں نہیں ہیں غنچہ دہن — یا چھڑے واہ واہ مت پوچھو
کسی نے بحر عشق کی اب تک — نہیں پائی ہے تھاہ مت پوچھو
شوق میں تیرے پھرتے ہیں گھر گھر — روز و شب مہر و ماہ، مت پوچھو
نینؔ کو آرزو ہے ملنے کی
خواہ کوئی پوچھو، خواہ مت پوچھو

بڑی ہی یار ہے گی خند تم کو — کہے کیوں کر نہ خلقت رند تم کو
نہ ملنا اس قدر کا کس سے سیکھا — کہو سچ، حق کی ہے سوگند تم کو
کیا تم نے اگر قتل عاشقوں کو — کہے گا کون پھر دلبند تم کو
نہیں رکھتے ہو تم خاطر کسو کی — کہا میں سو دفعہ ہر چند تم کو
یہ باندھا جب سے تم نے سرخ چیرا — کہیں ہیں لوگ چیرا بند تم کو
یہ باعث ہے تمہارے سبز رنگ کا — کرے ہے پیار سارا ہند تم کو
کہا اب نینؔ کا کاہے کو مانو
چڑھی ہے بھنگ یہ بے بند تم کو

دل کو سمجھاتا ہوں میں ہر بار، ہونا ہو سو ہو — خوبرویوں سے نہ مل زنہار، ہونا ہو سو ہو
بات کہنے سیتی پرائی ہوئے یہ تو جان لے — راز دل کا مت کرے اظہار، ہونا ہو سو ہو
خود پسندی چھوڑ دے اور تلخ گوئی ترک کر — اس میں ہرگز مت کرے تکرار، ہونا ہو سو ہو
مجھ کو تیرے دیکھنے کی غرض ہے اور کچھ نہیں — کوئی اگر رسوا کرے بیکار، ہونا ہو سو ہو
طوق اور زنجیر کو خاطر میں یاں لاتا ہے کیوں — میں تو دیوانہ ہوں تیرا یار، ہونا ہو سو ہو

زلف کے زنداں میں یارو کیا پڑا اندھیر ہے ‏ ‏ ‏ چھوٹنے سے کچھ نہیں سروکار، ہونا ہو سو ہو

واسطے میرے نہ کیجیو کوئی معالج کا تلاش
نرگسی چشموں کا ہوں بیمار، ہونا ہو سو ہو

یہ جان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو ‏ ‏ ‏ قربان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو
تا زیست کسی کا بار احسان نہ لوں ‏ ‏ ‏ احسان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو
دونوں ناچیز، کیا گدا اور کیا شاہ ‏ ‏ ‏ فرمان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو
بیمار عشق کا نہیں کوئی طبیب ‏ ‏ ‏ درمان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو

سائے کو میرے لیے جہاں میں
دامان اگرچہ ہو، تیرا ہی ہو

عاشقوں کا تو یہ احوال ہے دلدار کے ساتھ ‏ ‏ ‏ کبھی پوشیش چلے جس طرح سردار کے ساتھ
سلطنت ہند کی سب بخش دوں اس دم یارو ‏ ‏ ‏ باتیں جس وقت کرے ہنس کے صنم پیار کے ساتھ
میرے اور اس کے کوئی بیچ میں ہرگز نہ پڑو ‏ ‏ ‏ سر لگایا ہے میں نے طرہ خمدار کے ساتھ
خوبیاں گو کہ ہزاروں ہیں جہاں میں لیکن ‏ ‏ ‏ زندگانی کا مزا سارا ہے روزگار کے ساتھ

چشم خونخوار، بھنویں تیغ کی، یوں ہے تعریف
بانکے ہوتے ہیں سپاہی سب ہی ہتھیار کے ساتھ

اب تو اس دل کو تازہ جاں کیجیے ‏ ‏ ‏ یعنی گلشن میں آشیاں کیجیے
یہ بھی اک سیر ہے گلوں کے لیے ‏ ‏ ‏ عندلیبوں کو باغباں کیجیے
زندگانی تو ہے مثالِ حباب ‏ ‏ ‏ کب تلک چاہ گل رخاں کیجیے
راز دل کا کبھو بھی فاش نہ ہو ‏ ‏ ‏ زردیٔ رخ کو گر نہاں کیجیے
یہ زمانہ ہے اک طرح کا یار ‏ ‏ ‏ دل کا احوال کیا بیاں کیجیے
آسماں پھٹ کے گر پڑے سارا ‏ ‏ ‏ حسبِ حال اپنے گر فغاں کیجیے
جب تلک زندگی خدا دیوے ‏ ‏ ‏ تب تلک فکرِ آب و ناں کیجیے
دولت وصل گر میسر ہو ‏ ‏ ‏ عیش ہی عیش جاوداں کیجیے

ہو سکے سب ہوس ولے لیکن ‏ ‏ ‏ بوڑھے کو کس طرح جواں کیجیے
ہونا جو کچھ تھا سو تو ہو گزرا ‏ ‏ ‏ معاف تقصیر خوردگاں کیجیے

کمتریں ہے تمہارا عاجز نینؔ
اتنا غصہ نہ مہرباں کیجیے

کبھو کسی کا گلہ اپنی تو بلا نہ کرے ‏ ‏ ‏ پہ بے وفا سے کہیں دل لگے خدا نہ کرے
کیا ازل سے ہے صانع نے بت پرست مجھے ‏ ‏ ‏ کبھو بتوں سے پھروں میں، یہ تو خدا نہ کرے
یہ مانگتا ہوں دعا روز حق تعالے سے ‏ ‏ ‏ بتوں سوائے کہیں دل کو مبتلا نہ کرے
اگرچہ یار ہے ظالم تو کیا ہوا یارو ‏ ‏ ‏ مگر ہے خوف یہ، کوئی بددعا نہ کرے
وفا کی تجھ سے توقع تو کچھ نہیں مجھ کو ‏ ‏ ‏ یہ ممکن ہے کہ ستم گار کہیں جفا نہ کرے
اگر مریض بغیر از علاج چنگا ہو ‏ ‏ ‏ طبیب جگ میں کسو کے تو پھر دوا نہ کرے

شمار عاشقوں میں اس کا کچھ نہیں ہے نینؔ
شمع نمط جو کوئی عشق میں گلہ نہ کرے

جی میں آتا ہے کہ اس مشکل کو آساں کیجیے ‏ ‏ ‏ اپنے فیضِ اشک سے صحرا گلستاں کیجیے
گر یہی ٹھہری کہ اب مجنوں کو ہماں کیجیے ‏ ‏ ‏ اس خیاباں کی جگے یارو بیاباں کیجیے
نوح کا طوفاں بھی چاہیے آن کر مانگے پناہ ‏ ‏ ‏ حسب حال اپنے اگر یہ دیدہ گریاں کیجیے
عمر سب آخر ہوئی اور ہجر جیوں کا تیوں رہا ‏ ‏ ‏ کب تلک اس سوختگی میں جان بریاں کیجیے
چشم میرے آج تک بھی گردُر افشانی کریں ‏ ‏ ‏ یار سے ملنے کا پھر کیا خوب ساماں کیجیے
سرو بھی حیراں ہو اور فاختہ بے تاب ہو ‏ ‏ ‏ تجھ سے خوش قد کو جو گلشن میں خراماں کیجیے

عشق کی سختی تبھی معلوم ہووے دل کو نینؔ
قیس کے ہمراہ جب سیر بیاباں کیجیے

مجھ سے شکوہ سنا کبھی نہ کبھی ‏ ‏ ‏ یعنی بوسہ دیا کبھی نہ کبھی
دست کو تاہ کر، تعدّی سے ‏ ‏ ‏ مان کہنا ذرا کبھی نہ کبھی
ہر طرح شوخ کو ملوں گا میں ‏ ‏ ‏ اس بلا سے بچا کبھی نہ کبھی

قصہ کیجیو تمام، دل اپنا
گر تُسنے دلبر آ، کبھی نہ کبھی

صندلی یا شفقی یا اگری
شیخ ڈاڑھی رنگا کبھی نہ کبھی

آسماں سارا ہوگیا غربال
ہم نے نعرہ کیا کبھی نہ کبھی

نینؔ تجھ کو دکھاؤں گا وہ دن
گر میں جیتا رہا کبھی نہ کبھی

مجھ سے تو ترا عشق یہ زنہار نہ چھوٹے
اپنا تو یہ خاصا ہے اے یار نہ چھوٹے

تجھ چاہ زنخ کا تو گرفتار نہ چھوٹے
جیوں یوسف مصر سے خریدار نہ چھوٹے

یہ شیخ و برہمن ہیں نرے قصۂ دلاّل
ان سے تو کبھو تسبیح و زنّار نہ چھوٹے

فریاد کروں کس سے ترے ظلم کی اے شوخ
تجھ سے تو جفا کاری کا اطوار نہ چھوٹے

تجھ قد کی صفت کیا کہوں سبحان اللہ
ہر لحظہ کی اٹھکھیلی کی رفتار نہ چھوٹے

ٹک چلتے تجھے دیکھے تو ایسا ہی خجل ہو
تا حشر کبھو کبک سے کہسار نہ چھوٹے

ہر روز اگر لاکھ دوا دیویں طبیباں
تجھ عشق کے بیمار سے آزار نہ چھوٹے

جب تک کہ نہ ہو ہجر کی آفت سے خلاصی
چشموں سے مری اشک تو یکبار نہ چھوٹے

ہر چند ہووے باغباں مانع و مزاحم
بلبل سے تعشق گل و گلزار نہ چھوٹے

مجنوں کو ملا دشت اور فرہاد کو تیشہ
قسمت کا لکھا یوں ہی تھا لاچار نہ چھوٹے

یہ نینؔ تری یاد میں مسرور ہے دائم
یا بارِ خدا اس کا یہ اطوار نہ چھوٹے

غصہ کو ترے کیا کہوں ایسا ہی غضب ہے
قاصر ہے زباں، ہوش فرشتے کا سلب ہے

کہاں تک میں کروں آپ کے اوصاف کا شکوہ
جھڑکی تو ہر اک بات ہے، دشنام لقب ہے

ہم سے تو گئی چشم بدل طوطے کی مانند
غیروں سے ملی جا کے، یہ تو زور ہی ڈھب ہے

از روزِ ازل خواہش، ملنے کی ہے واللہ
کیا جانیں ترے ملنے کا وہ روز بھی کب ہے

رفتار زمانے کی اگر بگڑی تو بگڑے
ہم کو تو نفع اس سے نہ آگے تھا نہ اب ہے

ہر چند کہو، کوئی نہ سنے بات کسی کی
اس گردشِ افلاک کا یہ طور عجب ہے

وحدت تھی میسر سو تو وہ دن گئے افسوس
کثرت میں پڑی آ کے یہ قسمت کا سبب ہے

ہفتاد و دو ملّت ہے یہ سب مظہر اسی کا
بت خانے میں، کعبے میں وہی ایک ہی رب ہے

تھے عاشق و معشوق اگر وامق و عذرا
ان پر تو صریح مجنوں کا احوال عجب ہے

دانا تو سبھی کم سخن ہوتے ہی ہیں از بس
اس کو نہ سمجھ عیب، یہ تو پاسِ ادب ہے

ٹک اپنی جھلک نورِ تجلّی کی دکھا دے
مدت سے ترا نینؔ یہ دیدار طلب ہے

اے شوخ دل آزار ترا کام یہی ہے
عاشق کو کرے خستہ و بدنام یہی ہے

دامن کو پکڑ تیرے، یہ محشر میں کہوں گا
دیتا ہے مجھے مفت میں دشنام یہی ہے

جز یادِ خدا صرف، نہ کرنا کبھو انفاس
از بسکہ عبادت کا سرانجام یہی ہے

رکھتی ہے سدا دل کو مرے دام میں اپنے
مکھڑے پہ تری زلفِ سیہ فام یہی ہے

ہر روز تری جستجو میں پھرتے ہی رہنا
لے صبح سے تا شام، مجھے کام یہی ہے

صہبا کا تو ساقی ہو تو پھر اللہ ہی اللہ
دل خواہ شکلِ عشرت و آرام یہی ہے

آسودہ کو کچھ دیجیے تو اس کی نہیں تعریف
مفلس کو اگر دیجیے تو نام یہی ہے

بارہ صدی کا دور جو سنتے تھے (ہم) نینؔ
بے شک شبہ، تحقیق وہ ہنگام یہی ہے

مر گئے کھینچتے ہی ہجر کے آزار کئی
تیر مژگاں سے ترے تھے جو دل افگار کئی

جنسِ یوسف کی تجھے دیکھ کے اے مایۂ حسن
ہر طرف سے چلے آتے ہیں خریدار کئی

کیا بلا دام ہے تجھ زلف کا دل کے حق میں
ہوتے ہیں دیکھتے ہی جس کے گرفتار کئی

ایسے بے قدر ہیں دل، یار ترے کوچے میں
جیوں پڑے رہتے ہیں صحرا میں خس و خار کئی

راست ہے دنیا کا احوال بقولِ سوداؔ
"ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گرفتار کئی"

کچھ نہ فرہاد کی گنتی ہے نہ کچھ مجنوں کی
کر دیے چرخ ستم گار نے لاچار کئی

کس سے جا کر کے کہوں حال زمانے کا نینؔ
جان اپنی سے تو بیزار ہیں اب یار کئی

رقیباں اس طرح پھرتے ہیں نت اٹھ یار کے پیچھے
کہ جیسے ٹھگ پھریں زور آوری، زر دار کے پیچھے

دوا کوئی کیا کرے اب مفسدوں کی ایسی بن آئی
طبیبوں کی بنے جس طرح سے بیمار کے پیچھے

نہ سوجھا وقت پر کچھ، پھیر کچھ کا کچھ لگے بکنے
کہ جیوں دشنام یا داوے کسی کو مار کے پیچھے

پڑا ہے کام یوں فریاد سے تجھ عشق میں ظالم
کہ جیسے داد خواہ ہووے کوئی خونخوار کے پیچھے

ہجوم آہ، بن لیلیٰ کے یوں ہے قیس کے ہمرہ
کہ جیوں لڑکے تماشے کو پھریں میخوار کے پیچھے

نظر کی مہر سے تم نے، تو یہ رتبہ ہوا مجھ کو
کہ جیوں ادنیٰ سے اعلیٰ ہو کوئی سردار کے پیچھے

لکھا تقدیر کا مٹتا نہیں، کہتے ہیں سب لیکن
جو کچھ بے قدری ہے جگ میں سو ہے روزگار کے پیچھے

ہوا جو کچھ سو دیکھا اور جو ہوگا سو دیکھیں گے
لیکن معلوم نہیں کیا ہوئے دن دو چار کے پیچھے

نہیں ہے نیک و بد پہ منحصر اب نینؔ دنیا میں
جو کچھ جس کی معیشت ہے سو ہے سردار کے پیچھے

دلبر سے یہ سودا ہے مرا، یا کہ یہ دم ہے
ایک دم کی جدائی تیری مجھ پر تو ستم ہے

ملنا ترا اغیار سے تشریح کروں کیا
یہ قہر ہے آفت ہے، غضب، رنج والم ہے

آئینے سے مجھ دل کے تحیّر کو ملا دیکھ
یہ دونوں برابر ہیں کوئی بیش نہ کم ہے

گو عرش پہ خورشید ہے روشن تو بلا سے
مکھڑے کی جھمک تیری یہ کب ماہ سے کم ہے

کوئی ہاتھ لگاتا ہی نہیں خوف کے مارے
ناگن کی لہر ہے کہ تری زلف کا خم ہے

جتنا کہ ہے افراط تری کم نگہی کا
اتنا ہی ادھر دیکھو تو یہ دیدۂ نم ہے

چونکے ہے مجھے دیکھ کے وحشی سی سرس تو
آہو سے بھی صد چند تجھے مجھ سیتی رم ہے

کیا کیا کہوں تجھ عاشقی میں گزرا سو گزرا
مت پوچھ یہ مجھ سے تجھے تیری ہی قسم ہے

یا آتے تھے ہر روز یا اب ملتے ہی نہیں ہو
اس نینؔ پہ کچھ کیسا تمہارا یہ کرم ہے

کیا منہ ہے کسی کا جو ترے کوچے میں جاوے
جاوے بھی تو پھر کا ہے کو دنیا میں وہ آوے

کیا غرض ہے اس کو جو ملے پھیر کسو سے
جب پہنچا ترے پاس جو کچھ چاہے سو پاوے

مارے بھی جلاوے بھی اور آمرز بھی کر دے
عہدے سے ترے کون ہے ایسا سو بر آوے

دیکھا ہے کہیں گل نے تجھے جس کی خوشی سے
پھولا ہے وہ اتنا کہ قبا میں نہ سماوے

ہر چند غم عشق میں سر چیر کے مر جائے
فرہاد سے خسرو کبھو شیریں نہ ملاوے

تجھ چشم کے غمزہ کو اگر دیکھ لے نرگس
ہرگز نہ مشابہ میں کبھی آپ کو لاوے

میں مردگنوں نینؔ جہاں میں تو اسی کو
تیغے کا تیرے ابرو کے جو وار بچاوے

واجبی بات کہیں ذرا کہیے
بری لگتی ہے سب کو کیا کہیے

مجھ کو اک یہ بڑی سی حیرت ہے
برے کو کس طرح بھلا کہیے

نیکی کا پھل بدی لگا ہونے
اس زمانے کا کیا گلہ کہیے

چرخ ظالم نے سب کو ڈالا پیس
اس کو تحقیق آسیا کہیے

اور ہی احوال دیکھتا ہوں میں
کس کے آگے یہ ماجرا کہیے

جا بجا چھوٹیں جھوٹ کے شیشے
یہ بھی یاروں کا اشغلا کہیے

اُمّی کہتے ہیں ہم تو ہیں فاضل
بے وقوفوں کا در کھلا، کہیے

اپنی کرتے ہیں آپ ہی تعریف
ان کے تئیں کو تو چوتیا، کہیے

بے شعوری پہ بسکہ ہیں نازاں
کیوں نہ اب ان کو ناسزا کہیے

شیخ جی نے کیا ہے آج خضاب
اس کو بوڑھے کا چوچلا کہیے

لوگوں کے پھوڑتا پھرے شیشے
محتسب کو تو مسخرا کہیے

پوچ، پادر ہوا، بکے ہے سخن
ناصح کو خواہ مخواہ سڑا کہیے

اپنا سر پھوڑتا ہے آپ رقیب
شوق سے اس کو مُنڈ چھڑا کہیے

مارے خندوں کے مرد آدم کو
کوئی پوچھے نہیں ہے کیا کہیے

ڈاڑھی ملّا کی گو کہ ہے خوگیر
پر مہا دیو کی جٹا کہیے

جن کی حرمت پہ کچھ نہیں ہے نگاہ
ان کو پاپوش کا تلا کہیے

چھپتے پھرتے ہیں وقت جنگ و جدل
بزدلا ان کو برملا کہیے

خود پسندی میں غرق ہے عالم
نینؔ کس کس کو اب برا کہیے

کس سیتی دل کا مدّعا کہیے   کوئی سنتا نہیں ہے کیا کہیے
یار ہم سے کمال ناخوش ہے   کس کے آگے یہ دکھ سنا کہیے
شکوہ کیا تاب، کوئی کرے اس کا   جو کرے وہ سو سب بجا کہیے
سیف ہے سیہ تاب سرمئی چشم   قتل عاشق کو تو نیا کہیے
بے طرح ہے یہ مرض عشق طبیب   کوئی مجرّب سی اب دوا کہیے
وقت پر جو کہ اپنے کام آوے   اسی کو اپنا آشنا کہیے

جس گھڑی یار ہنس کے بولے نینؔ
اس گھڑی کو تو مرحبا کہیے

ہر چند گرم ہو کے اگر برتری کرے   کب آفتاب منہ کی ترے ہمسری کرے
جلوہ ترا وہ ہے کہ پری کو پری کرے   کس کی مجال ہے جو تری ہمسری کرے
وہ جادو تری چشم میں اے نرگسی نین   دیکھے جو سامری تو تری چاکری کرے
میرے تو دل کی ہووے تبھی آرزو تمام   جب تو سخن کی اپنے، سخن پروری کرے
خوش قد ترے کی جگ میں تو تمثیل ہی نہیں   کہنے کو سرو ہے پہ کہاں سر بری کرے
صانع مرا وہ ہے کہ ہو کیسی ہی چوب خشک   سو سو دفعہ وہ چاہے تو اس کو ہری کرے

ہو باغ باغ نینؔ، وہ غنچہ دہن اگر
دو ایک بات ہنس کے کبھو سرسری کرے

جی کو جب تیری یاد آتی ہے   آگ ر جگ کے تئیں لگاتی ہے
بیٹھتے کل پڑے نہ اٹھتے کل   مثل بھونچال ہلہلاتی ہے
گو کہ ہے آہ اپنی بے تاثیر   پر رقیبوں کو ہینگ ہگاتی ہے
قد ترا جب سے دیکھا قمری نے   سرو کو چٹکی میں اڑاتی ہے
تیرے دانتوں کی یار براقی   مثل بجلی کے چھپاتی ہے
اس قدر خوش ہے گل سیتی بلبل   تن میں پھولی نہیں سماتی ہے
جب کہ فریاد کرتی ہے گھڑیال   کھڑے پانی میں ڈوب جاتی ہے

پر یہ اچرج ہے غیر کی صحبت   کس طرح تیرے تئیں خوش آتی ہے
روز جلتی ہی رہوے ساری رات   شمع کی زور ہی یہ چھاتی ہے
لیلیٰ کے دیکھنے کو آج تلک   روح مجنوں کی تڑپھڑاتی ہے

نینؔ کے دل میں لہر ملنے کی
ایک آتی ہے ایک جاتی ہے

چپ رہ دنیا میں یار کوئی نہیں ہے   کسو کا زینہار کوئی نہیں ہے
اپنی اپنی غرض کے ہیں سب یار   اس میں اب پھیر پھار کوئی نہیں ہے
اس زمانے کا کیا کہوں احوال   باپ بیٹوں میں پیار کوئی نہیں ہے
جا بجا ہو گئی خزاں جگ میں   کہیں ذرا بھی بہار کوئی نہیں ہے
چاہو کوئی کسو کے کام آوے   ایسا تو روزگار کوئی نہیں ہے
جھوٹوں کے پیر ہو گئے سردار   سچ کا سروکار کوئی نہیں ہے
سب ڈنڈیل ہو گئے صغیر و کبیر   اب تو ایماندار کوئی نہیں ہے
جن کی آگو بڑی سی دولت تھی   ان کنے ایک تار کوئی نہیں ہے
بے ہنر بیشتر ہیں اب ممتاز   قابلوں کا شمار کوئی نہیں ہے
نوکری میں کریں ہیں فاقہ لوگ   اس خرابی کا پار کوئی نہیں ہے
یہاں تلک مفلسی نے گھر گھیرا   پگڑی ہے تو ازار کوئی نہیں ہے
اس غضب دکھ کے تئیں کہوں کس سے   مونس و غمگسار کوئی نہیں ہے
جو کہ آقائے وقت ہیں ان میں   دانشی اور بچار کوئی نہیں ہے
فضلِ حق کے سے آبرو رہ جائے   اس برابر وقار کوئی نہیں ہے

چاہے سو ہو، وہ نینؔ دنیا میں
اپنا کچھ اختیار کوئی نہیں ہے

سنے ہی نہیں ہیں کسو طرح داستاں اپنی   الٰہی کس سے کہوں جا کے داستاں اپنی
منع ہی کرتے ہیں تو تھک گیا اے یار دو   خموش رہتی نہیں ہے کہیں زباں اپنی

ملے نہ تجھ سے کبھو ہم تو، ہو کے ہم آغوش
یہ آرزو ہی رہی جی میں جاوداں اپنی

ذرا سی بات میں ہوتے ہو تم تو رو گرداں
اسی میں ہو چکی بس خیراب نشاں اپنی

ہم عاشقی میں تری یار، بہت تپج ہارے
کسو ہی طرح نہیں گلتی دال یاں اپنی

قماش دیکھ ترے دل کا، جو فروشوں نے
کری ہے گرم بڑے ٹھاٹھ سے دوکاں اپنی

پواج عالم یکلخت ہو گئے بہلول
انھوں کے آگے کہو اب چلے کہاں اپنی

زہے یہ شکل، زمانے کے ہاتھ یتی نجیب
سنبھالے پھرتے ہیں دستار ہر زماں اپنی

خدا ہی شرم رکھے نینؔ اب تو دنیا میں
پڑی ہے آگے ہر اک کو جہاں تہاں اپنی

بے شبہ ہے کہ عرش اُپر تو ہے
پر جدھر دیکھوں ہوں تدھر تو ہے

کون ہے ایسا کہ جس کی دوں تشبیہ
تیرے ثانی ہے تو اگر تو ہے

کسو پہ تیرا بھید نہیں کھلتا
تیری حکمت سے باخبر تو ہے

نازکی کے سبب چل ہی نہ سکے
زور ہی یار مو کمر تو ہے

تیری الفت کو کس طرح چھوڑوں
میری تو جان اور جگر تو ہے

بعضے طالب ترے یہ کہتے ہیں
شمس بھی تو ہے اور قمر تو ہے

نینؔ کہتا ہے کلؔ وہم، شے میں (کی ؟)
جانِ من، قصہ مختصر تو ہے

جہاں میں جو کوئی گلبدن، خوش نین ہے
بہت جی کو پیارا ہے اور من ہرن ہے

یہ سب خوبیاں تجھ میں ہیں گی پری رو
تو ہی من ہرن ہے، تو ہی چت لگن ہے

دیوانہ ہوں اس دم کہ جس دم کہیں ہیں
شکر لب بھی کیا خوب شیریں بچن ہے

(ذرا)(1) پیار سے جس سے تو ہنس کے بولے
تو بے شک اسے بادشاہی ختن ہے

تجلّا ترا جن نے ٹک دیکھ پایا
ولی ہے وہ پھر اور فلاطونِ زمن ہے

---

(1) ایک لفظ کیڑے نے کھا لیا ہے "ذرا" قیاسی تصحیح۔

ترے آونے کی خبر سن کے پیارے
کھڑا منتظر سارا نرگس چمن ہے

بھلا تجھ کو دنیا میں کوئی کیوں کہ پاوے
نہ گھر کہیں تیرا، کہیں نہ وطن ہے

ہے سب میں ملا اور سب سے نرالا
عجب تیری قدرت عجب تیرا فن ہے

تو اب خواہ نزدیک یا دور ہی رہ
تری یاد جی میں مرے رات دن ہے

غنیمت ہے مجھ کو بزرگی یہ اتنی
میں طالب ہوں تیرا اور تو جان من ہے

کرم کی نظر سے ذرا دیکھ ایدھر
ترا نینؔ عاجز ہے رنگین سخن ہے

جو کوئی آبرو سے کہ جگ میں جیا ہے
ہر ایک شخص نے وصف اس کا کیا ہے

جو کوئی جیا آبرو کھو کے جگ میں
سراسر وہ احمق ہے اور بے حیا ہے

ارے یارو سنتے ہو کوئی تو بولو
یہ دل ہے کہ دشمن ہے، قاتل ہے کیا ہے

مجھے ان نے سب طرح سے پیس ڈالا
یہ دل نئیں ہے پہلو میں سنگ آ گیا ہے

میں حرمت کو چاہوں، یہ چاہے بتوں کو
انو کھا خدائی سے شیوا لیا ہے

یہ ڈھونڈے سیہ زلف اور چشم مے گوں
بھلا اب یہ سودا نہیں ہے تو کیا ہے

یہ نت اٹھ کے چاہِ زنخ ہی کو دوڑے
نہ سمجھے اُدھر جو گیا، سو گیا ہے

پری رُو کے پیچھے قلعہ کوٹ کھودے
یہ گو ہر کے حق میں گو پا سیدھیا ہے

(کرم خوردہ) کسو پر الٰہی
کہاں کا یہ منہ زور گھوڑا دیا ہے

الجھتا ہے ہر دم، نہ روکا رکے ہے
مجھے دل نے اب سخت عاجز کیا ہے

کہوں ہوں میں کچھ، یہ کرے اور ہی کچھ
نہ جانا پڑے کن نے جادو کیا ہے

کبھو گاوے، رووے، کبھو مسکراوے
دیوانہ ہے یارو یہ کچھ اولیا ہے

(1) پہنچے تہاں اڑ کے پہنچے
گلا داب نے کو یہ تو مو گیا ہے

---

(1) یہاں ایک لفظ کرم خوردہ ہے۔

نصیحت سے میری یہ سو کوس بھاگے   تلنگوں کے حق میں جیسے بھوتیا ہے
میں بیٹھوں زمیں پر، یہ بیٹھے سماں پر   کجا تخت شاہی، کجا بوریا ہے
کریں جا بجا لوگ پر کا کبوتر   ہر اک بات کا مچ رہا تونیا ہے
زمانے کا یہ حال اور دل کا یہ حال   کہو کس طرح رہتی شرم اور حیا ہے
بھنور بیچ غم کے میں ڈوبوں اور اچھلوں   یہ کہتا ہے مجھ سے کہ تو مر جیا ہے
میں سو سو دفعہ تیرا پھاڑا گریباں   بتا تو نے کس واسطے پھر سیا ہے
تو ہے موت کا ڈھیر، مت بول مجھ سے   امر ہوں، میں نے آب حیواں پیا ہے
میرے ثانی نہیں ہے کوئی اب جہاں میں   فلک کے کنگوروں کو میں نے چھپا ہے
فدا ہوں سدا عاشقی پر میں اس کی   وہ جو قیس صحرا نیں ایک ہو گیا ہے
خدا کی طرف جن نے دل کو لگایا   ہوا افضل اس کے سے وہ انبیا ہے
مرے جی میں آوے گی سو ہی کروں گا   میں مختار ہوں میرا (کرم خوردہ) ہے
سنیں دل کے منہ سے، میں جب ایسی باتیں   خدا شاہد ہے میں نے رو رو دیا ہے
پھر آخر ہو لاچار میں ہار بیٹھا   یہ لڑنے کے تئیں میر خاں ٹھو کیا ہے
کہوں کیا کیا یارو، میں دل کے تماشے   یہ تو سوانگ لانے کو بہروپیا ہے

نہ بک آگے اب نینؔ خاموش ہو رہ
یہ دل ہے ترا' یار لنگوٹیا ہے

آیا کبھو نہ بر میں مرے پیار کر کے تو   اس آرزو میں عمر ہی ساری بسر کری[1]
ماریں ہیں پہلو عرش پہ اب تو بھی رقیب   ایسی ہی تو نے مہر انھوں کے اوپر کری
بے رحم میرے حق میں مقرر ہے تو صنم   اب تک کبھو نہ تو نے کرم کی نظر کری

ٹک دیکھ چشم خلق سے نینؔ اپنے کی طرف
تیرے ہی اعتماد پہ میں تو گزر کری

ا۔ اس غزل کے ابتدائی اشعار دیوان میں موجود نہیں۔

رباعیاں

واجبی بات میں کچھ پھیر نہیں ہوتا ہے   چھے پسیری کا بھلا سیر کہیں ہوتا ہے
کہتے ہیں شیخ جی کے خائے ہیں سر سے بھاری   اتنا گاڑی بھر انڈھیرا کہیں ہوتا ہے

یہ زلفیں نہیں ہیں مکھڑے پر بلا ہے، جو تجھے سوجھے   بھنویں ترچھی بڑی قاتل ادا ہے، جو تجھے سوجھے
جو کچھ فرہاد پر گزرا سو سب عالم پہ روشن ہے   مقام عشق میں بے شک دغا ہے، جو تجھے سوجھے

فردیات

کیا کارگر ہو گئی ہے دیکھو ڈاہ کسی کی   ظالم کو تو لگتی ہی نہیں آہ کسی کی
کہو جا کے زلیخا سے نہ کر چاہ کسی کی   بس چھوڑ دے یوسف کو نہ لے آہ کسی کی

دیکھے ہیں تیری چشم میں جادو بھرے ہوئے   وحشی پھریں ہیں دشت میں آہو ڈرے ہوئے

تجھ سامنے ہو شمع تو حسرت سے پگھل جائے   اور گل کا تو کیا منہ کہ چمن سے نہ نکل جائے

متصل چشم کے یوں فکر اڑی رہتی ہے   جیوں لب آب سدا فوج پڑی رہتی ہے
چشم سے اشک کی وہ ندی چڑھی رہتی ہے   جس طرح مینہ کی ساون میں جھڑی رہتی ہے

شیرینی تجھ لباں کی نہ کہہ انتہا سکوں   مصری، مثال ہے گی پہ لیکن نہ لا سکوں

نہ دینا بسکہ سیکھا شوخ نے کوئی کہاں تک مانگے   میں اپنا مانگتا ہوں دل، وہ کہتا ہے کہ پھر مانگو

مزے سے جتنی گزرے زندگی اتنی نزاکت ہے — کدورت اس میں کچھ بھی ہو تو پھر پوری ملامت ہے

دل اور جان سے جو کوئی دیوانہ تیرا ہے — کہیں ہیں لوگ کہ اس پر پری کا پھیرا ہے

جہاں میں جہاں تک کہ خوبصورتے ہیں — مجرّد اکفیں خواہ مخواہ گھورتے ہیں

مزے کا دیکھنا ہم کو تو یار تیرا ہے — ہوا تو آنکھوں کے اوجھل تو پھر اندھیرا ہے

مخمس

ازبسکہ ستم گار ہو، بس تم کو بھی دیکھا — عاشق کے دل آزار ہو، بس تم کو بھی دیکھا
ہر فن میں عیّار ہو، بس تم کو بھی دیکھا — ایذا کے روادار ہو، بس تم کو بھی دیکھا
کیا خوب وفادار ہو، بس تم کو بھی دیکھا

کھب گئی ہے زبس دل میں مرے، تیری نزاکت — اس واسطے کھینچے ہے یہ دل اتنی ملامت
یا ویسی محبت تھی اور یا ایسی قیامت — اب زیادہ کہوں کیا، تمھیں حق رکھے سلامت
کوئی تم بھی عجب یار ہو بس تم کو بھی دیکھا

کہہ تیرے سوا خوبی میں استاد کہاں ہے — تجھ حسن کی زیبائی کا تعداد کہاں ہے
گلشن میں ترے قد سا وہ شمشاد کہاں ہے — دنیا میں کوئی تجھ سا پریزاد کہاں ہے
ایسے ہی طرحدار ہو بس تم کو بھی دیکھا

رہتی ہے شب و روز مرے دل میں یہ حسرت — غیروں سے یہ الفت رکھو اور ہم سے یہ نفرت
کیا جانیں تجھے کیوں کہ خوش آئی ہے وہ صحبت — افسوس ترے دل سے کہاں گئی وہ مروّت
کوئی سخت دغادار ہو بس تم کو بھی دیکھا

کہاں تک میں کروں آپ کے اوصاف کا شکوہ — ہر بار اکڑ جاتے ہو غصّہ سیتی بل کھا
نے آپ ہی سمجھو، نہ کہو مجھ سیتی، سمجھا — اس طور تمہارے کی حقیقت کو کہوں کیا

ذرّا ہی میں بیزار ہو بس تم کو بھی دیکھا

کیا کہیے میاں تم سے عبث، دل ہے دیوانہ — کہنے کو مرے تم نے کبھو بھی تو نہ مانا
ایک دم جو ملے ہم سے، کیا تم نے بہانہ — اس وضع تمہاری کو میں اب خوب پہچانا
خندوں کے خریدار ہو بس تم کو بھی دیکھا

ہے گرم پینٹھ اب تو ترے حسن کی دکان — بہتیک تجھے دیکھ کے ہوتے ہیں گے قربان
شاباش میاں خوب نکالی ہے یہی شان — دانا نہ کہیں اس کو، کہے تم کو جو نادان
ہر بات میں ہوشیار ہو بس تم کو بھی دیکھا

تب تم کو کہے تھے کہ میں ہوں صادق دلدار — اور مجھ سا نہ کوئی دوسرا دنیا میں وفادار
اک دم جو جدا ہو، نہ تو ہو ان میں گنہ گار — اس بات کو یک بارگی اب بھول گئے یار
عیّار، ہو مکّار، ہو، بس تم کو بھی دیکھا

مثنوی

الٰہی میرے تئیں ہدایت تو دے — ذرا اپنی مجھ کو حمایت تو دے
تری یاد مجھ کو تو ہر آن ہے — تیرے نام پر جان قربان ہے
اگر تیرا ثانی میں ڈھونڈوں کہیں — نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے نہیں
زباں پر کیا ورد میں نے یہی — توئی ہے، توئی ہے، توئی ہے، توئی
ہر اک شئے یہی بولتی ہے صدا — خدا ہے، خدا ہے، خدا ہے، خدا
پیچ ہا سے بہت اپنا ساکر اپادر (؟) — کسی نے نہ پایا تیرا بھید بھاو
تیرے بھید سے ہے تجھی کو خبر — جہاں میں نہیں ہے کسی کو خبر
ترا کُن کا کہنا کرامات تھا — لیکن بے طرح کا طلسمات تھا
تیرے کُن کے کہتے ہوا یہ وہ سب — پڑے تھے عدم میں نہ تھا کچھ بھی تب
عجائب ہیں یہ چار صفتیں تری — کہ جس سے ہے خرّم طبیعت مری
یعنی ہے تو بے چون اور بے چگوں — کہیں ہیں دگر بے شبہ بے نموں

نہ دیکھا کسی نے نہ پایا کہیں پڑی عقل و حکمت میں آکر یہیں
ہے سب سے جدا اور سب میں ملا اسی بات سے غنچۂ دل کھلا
ہزاروں گدا کر دیے بادشاہ ترے حکم سے روشن ہیں مہر و ماہ
نظر آگیا جس کو ٹک تیرا نور اُسی دم ہوا اس کا سب درد دور
لیکن ایک تیری عجب شکل ہے کسی کا نہ تیرے کنے دخل ہے
جو چاہوں کہ تیرا کروں کچھ بیاں تو منہہ میں ہوئی جائے ساکت زباں
تو نے دل کے تئیں جس کے روشن کیا اسے انبیاء، اولیاء کر دیا
تصدق کیا تجھ پہ سب جان و تن قدم بوس ہونے لگے مرد و زن
ترا عشق نخوت سے جن نے کیا گویا اُن نے سچ مچ دھتورا پیا
لگا باتیں کرنے وہ اسمان سے ہوا بے خبر جسم اور جان سے
پھرے بھونکتا سگ نمن، اودھ ٹاٹ جیسے بے دہاشہ بکیں ڈوم، بھاٹ
پھر آخر کے تئیں اس کو سودا ہوا گلی در گلی خوب رسوا ہوا
اسی طرح سب عمر بھٹکا کیا ہر ایک سنگ پر سر کو پٹکا کیا
تری آشنائی میں یہ حال ہے کہوں کیا بڑا جی کو جنجال ہے
تری اب عبادت ہی کرنا ہے خوب غضب سے ترے سخت ڈرنا ہے خوب
لکھوں ہوں میں آگے زمانے کا حال سنو اہل فرہنگ اور اہلِ قال
نپٹ کر کے اب وقت باریک ہے زمین آسماں سارا تاریک ہے
وہ تیرہ صدی جو سنیں تھے سبھی یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے، یہی
مچائیں زمانے کے نیرنگیاں کریں رنگ میں سب کی بے رنگیاں
لگے جا بجا چوٹ پر اور چوٹ مقدمہ ہے ہر ایک کا لوٹ پوٹ
اک عالم کے تئیں کر دیا خاک سیاہ ہزاروں سپاہی پھریں ہیں تباہ
ٹھکانہ کسو بھی نہ سرکار میں نہ دربار میں کچھ، نہ گھر بار میں
مچی ہے نہایت ہی اب بھوک بھوک چھوہارا ہوئی خلق سب سوکھ سوکھ

کوئی چھٹّہ بٹنے کی باتیں کرے تو انبوہ پھر اس طرف پل پڑے
گریں ایک پر چھ چھ وہاں اس طرح شہد پر مگس گرتے ہیں جس طرح
کہیں ہیں اسے رجعت القہقری گیا موجِ زن آب اور پھر، پھرا
تھے جتنے زمانے میں بانکے بلی خنک ہو گئے جیوں برف کی ڈلی
اسافل خوشی ہے تو کم بیش ہے نجیب ہے سو وہ سخت دلریش ہے
گیا بھول یک لخت جوش اور خروش گیا اس طرف سے میں نے دل خموش
کہوں اس حکایت میں ایک اور طرز سنو اہل علم و عمل، اہل رمز
عجب وقت ہے اور عجب ڈول ہے کہیں چھکڑ ہے اور کہیں ڈھول ہے
کسو کے تئیں کوئی پوچھے نہیں برا اور بھلا کچھ بھی سوجھے نہیں
حمق پر ہوئی ساری ترکی تمام ندارد ہوئی عین، قاف اور لام
تزک دیکھ ناخواندوں کا اس زماں ہوا وِرد ہم کو، الٰہی اماں
کریں بے شعوری کے سب کام وے دھریں ہیں خدائی کے تئیں نام وے
تکیں پگڑی ایک ایک کی، لے کے ناؤں جنھوں کی طبیعت کا سر ہے نہ پاؤں
ڈرے خلق یوں ان کی تدبیر سے کہ جس طرح کلوا ڈرے تیر سے
غرض سب طرح ان کی نیت بُری ہر ایک بات جن کی شہد کی چھری
لبھانویں پٹلے کر کے دلداریاں(؟) کریں پیچھے سے خوں خواریاں
پھکے ہے کوئی دن میں جلدی سے ہور ہوا ایک ہی بھاو پر کھل، کپور
اور آقا ہمارے تو اب واہ واہ ہنسے ہے جنھیں خلق سب قاہ قاہ
قبول ہے یہ قسمت کا اپنی قصور پہ گو بندوں سے یہاں کے حق رکھے دور
جہاں فاقہ ہے اور برا حال ہے تہاں کہتے ہیں خواہ مخواہ مال ہے
نہ وہاں مال، نہ چرخا، نہ خاک دھول یہ گپّا بنے پھرتے ہیں پھول پھول

لہ پہَل ؟

جو کچھ چاہتے ہیں سو بکتے پھریں
گلی کوچے میں سب کو تکتے پھریں

کٹیں اجلے کپڑوں کو دیکھ اس طرح
چھری سے کٹے خربزہ جس طرح

مرو یا جیو کوئی پیزار سے
انھیں کام ہے مردم آزار سے

پھریں پیچھے ہر ایک کی گھات میں
کریں خالی وہ، گھر ذرا بات میں

تھے آگے ہی سے ایک تو لاعلاج
ہوئے تس پہ اب کوڑھ ہیں اور کھاج

کہیں کو چلو راہ چلتی نہیں
کسو کی یہاں دال گلتی نہیں

فروعی کا اب کیا کہوں میں رواج
کوئی کل غارت ہوا، کوئی آج

(کرم خوردہ) تو بستی میں کوئی نہیں بچا
بچا کر کے پھوڑا ہر ایک کو نچا

فروعی جو پوچھو تو ہے یہ کہاں
مچا چیل کا سا جھپٹا یہاں

نکل گھر سے جو کوئی کہیں کو چلا
وو نہیں لوگوں نے اس کا پکڑا گلا

اسے چوڑے میں پھر کھڑا کر دیا
جو کچھ پایا سو سب ہڑپ کر لیا

روہیلہ ہے ایک میر خاں اس کا نام
اسے کرتی ہے خلق اٹھ اٹھ سلام

اگر کامداری سے ظاہر ہے وہ
لیکن مال کھانے کو ماہر ہے وہ

بڑا دھاک اس کا بڑا اس کا ٹھوک
سب آمد شہر کی وہ لے خم کو ٹھوک

نہ چھوٹے بھلا اور نہ چھوڑے برا
مُرنڈا کرے وہ پکڑ کر چھُرا

یہاں تک کشش کی کہ پھر تھک گیا
رعیت کے تئیں لوٹ کر چھک گیا

پڑا صبر رعیت کا اس پر شتاب
ہوا آپ ہی اس کا سب زہرہ آب

دیکھا اس نے اٹھنے ہی میں ہے مزا
والا کہ یہاں پہنچتی ہے سزا

نہ مانا پھر ان نے کسی کا کہا
جمعیت کو اپنی لے جاتا رہا

سنو کار پردازوں کا اب بیاں
جنھیں تھوکتا ہے گا سارا جہاں

مچایا ہے کھنڈی کا دور اس قدر
کہ بھاگن پڑی شہر میں گھر بہ گھر

لگے ہے یہ تو سال میں ایک بار
نہ کہ ہر مہینے میں پھر، چھ چھ بار

یہ کھنڈی نہیں ہے گی بھنڈی ہے یہ
ستم کاروں کی گرم منڈی ہے یہ

گریں بنیوں پہ رات دن لوٹ لوٹ
مچائی ہے بے طرح کی لوٹ لوٹ

کسو کی نہ مانیں کوئی داب، ڈانٹ
الٰہی یہ کچھ کیسا بگڑا ہے ماٹ

کسو کے تئیں کوئی کھینچے پھرے
کسو کے تئیں کوئی اینچے پھرے

کسو کے تئیں کوئی ڈالے پچھاڑ
کسو کے کوئی توڑتا ہے کواڑ

کسو کو کوئی روٹی کھانے نہ دے
کسو کو کوئی ہاٹ جانے نہ دے

کسو کا گویا کوئی والی نہیں
جو دم ہے سو آفت سے خالی نہیں

کسو کی ذرا کوئی سنے نئیں پکار
کریں ہیں رعیت کے تئیں مار مار

محلّے محلّے میں ہلّا مچا
یہ ہلّا نہیں بل دھڑلّا مچا

کہوں کیا پڑی ہلڑی مہربان
ہوئے کان سن سن کے اب پکیدان

گئے بھاگ لے لے کے سب اپنی جان
لگے چھوڑ کر قفل، گھر اور دوکان

ہوا آخر شش سارا بازار بند
کیا یہ تردّد تو لایق پسند

لگے کہنے سب مل کے واہ واہ رے میں
لیا پیسہ بنیوں سے کیا خوب، ایں!

کئی ماہ تک یہ بکھیڑا رہا
رعیت نے یارو بڑا دکھ سہا

ہزاروں روپوں کا پڑا آکے پیچ
ہوئے مفت میں بنیے سب ہیچ میچ

گئے۔ بیچنا بھول دے مونگ ماش
ہوئے گھر کے گھر صاف اور پاش پاش

اب ان باتوں کا کوئی کیا دے جواب
مجھے آگے کہنے کی طاقت نہ تاب

(کذا)، تھا ملک آگو حیدر علی
وہ مرزا، وہ منصف، عصر کا ولی

یہاں تک ہے وہ اپنے باطن کا صاف
ہزاروں خطا لوگوں کی کر دے معاف

ہے سب طرح سے اس کی نیت بخیر
ہمیشہ خدا کی اس اوپر ہے مہر

رکھے سب کو خوش اور خوش رہوے آپ
بھلائی کی اس کے تو پھیلی ہے چھاپ

ملک ہے جہاں ظلم معدوم ہے
کرے زیادتی کوئی، معلوم ہے

کسی کا برا کر کے جانے نہیں
چپڑ خندوں کی بات مانے نہیں

چکوروں کو وہ کان لگنے نہ دے
وہ تا حشر فتنے کو جگنے نہ دے

عمر اس کے میں، چوری کا نام کیا
دغا باز، نٹ کھٹ کا دِھاں کام کیا

خدا رکھے خوش ایسے کتوال کو
پرکھتا رہے سب کے احوال کو

عدل کے لیے وہ پھرے کو بکو
تردد کا ہے نیک دادا، گرد

خفا ہو گیا تھا وہ بھوپال سے
کئی طرح کے یاں کے احوال سے

سنا ان نے جس وقت یہ ماجرا
نہایت وہ دل بیچ اپنے کڑھا

بارے آن پہنچا وہ چل کر شتاب
ہوا شہر کو دیکھ جل بھن کباب

بہت اہلکاروں کو دی لعن طعن
کیے صاف گویندوں کے ناک کان

وہ پہلے سبھوں کے تو گھر گھر پھرا
ہر ایک سے بغل گیر ہو کر ملا

بلا پھر تو سب کو، دیئے ان نے پان
کہا کھولو دوکان تم میری جان

اگر تم کو دیکھے کوئی بدنظر
کیا بوجھو اس کو شہر کے بدر

ذرا چھیڑے تم کو کوئی بات میں
تو دے دوں اسی دم اسے کاٹھ میں

یہ کہہ کر کے جلدی بٹھایا امن
کیا شہر کو پھر گلوں کا چمن

لگیں جا بجا کو یلیں بولنے
پھلیل اور عطر پھر لگیں تولنے

ہوئی گل فروشوں کی وہ ہی بہار
لگے بکنے انگور، سیب اور انار

جھمکڑا وہی پھر چمکنے لگا
وہی مشرو میٹھا پھڑکنے لگا

پری زاد گھر سے نکلنے لگے
بہت سنگ دل پھر پگھلنے لگے

عجائب کیے نازنیں خوش خرام
کریں کوئی نظروں میں قصہ تمام

کیا بنیوں کے سینے سے دور، داغ
ہوا دل ہر ایک کا نپٹ باغ باغ

ملک کے تئیں کو کہے آفریں
جزاک اللہ صد آفریں، آفریں

کرے اس کی تعریف خلقت نہ کیوں
کیا ان نے بازار کو جیوں کا تیوں

کیا مختصر میں نے یہ رنگ رس
کہ مغز حقیقت ہمین است و بس

سنو یارو اب تم بزرگوں کے قول
کہے ہیں سخن میزاں میں تول تول

جو کوئی کہ ہیں گے نپٹ دل حزیں
وہ اَلَّذِین ہیں نہ اَلَّذِین

جو کوئی مفت لیتے پھریں ٹکڑیں
پڑیں غیب سے ان کے سر چھکڑیں

جو کوئی زباں کا گندہ ہے وہ
بھلا آدمی نئیں ہے خندہ ہے وہ

جو کوئی کسو کا کرے ہے بُرا
نہ ہووے کبھو ہرگز اس کا بھلا

جو کوئی فضیلت سے بھاگیں ہیں دور
مقرر انھیں جانیے دل کے کور

جسے شعر کا شوق دن رات ہے
وہ تو قابل ہے اس کی کیا بات ہے

جو کوئی عصر میں ہے صاحب سخن
اسے کہیے بے شک فلاطوں زمن

جو کوئی کہ مفلس پئیں ہیں شراب
انھوں کی تو مٹی ہے گھٹ گھٹ خراب

جنھوں کی کہ نیت میں ہے کچھ خلل
ہے آفت انھوں پر محل بے محل

جو کوئی سخاوت کے ہیں پائے مرد
انھوں نے کیا ہمت حاتم کو گرد

لیکن یارو ہمت خدا داد ہے
سدا اہل ہمت کا دل شاد ہے

نہ ہمت برابر کوئی چیز ہے
نہیں جس میں ہمت وہ تو حیز ہے

بڑھی جس کی ہمت بڑھا اس کا ٹھاٹ
نہ مانو تو جا دیکھو گنگا کا پاٹ

جو کوئی کہ سب طرح ہیں بے تمیز
انھوں کے تئیں کو ہے دولت عزیز

کیا ان کی دولت نے جس دم فرار
لگے خوار پھرنے شتر بے مہار

خوشامد کریں جا بجا جوڑ ہاتھ
تو بھی ان کی کوئی نہیں پوچھے بات

جو کوئی کہ عاشق ہیں تیرے اُپر
دے ماریں ہیں دولت کو پاپوش پر

بڑی دولت ہے گی ترے نام کی
بڑے نام کی اور بڑے کام کی

فدا ہوں میں نون ترے نام پر
کمر باندھی ہے کس کے اس کام پر

ہزار آفتوں سے بچایا مجھے
نئے سر سے کئی دم جِلایا مجھے

ترا شکر ہر دم کیا چاہیے
یہی چاہیے اور کیا چاہیے

الٰہی ترا فضل درکار ہے
یہ بندہ تو سب طرح لاچار ہے

شراب طہورا پلا دے مجھے
جمال اپنا جلدی دکھا دے مجھے

یہی نینؔ کو آرزو ہے مدام
تری یاد میں خوش رہے صبح و شام

مسدس شہر آشوب

جس کسی کا گھرانہ عالی ہے　　اس کا منہ چکنا، پیٹ خالی ہے
زور ہی تحفہ طرح نکالی ہے　　دیں بنارس کہیں کہ حالی ہے (؟)
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

روز داروغہ پاس جاتے ہیں　　شور و ہوا بہت مچاتے ہیں
صبح سے شام تک بکاتے ہیں　　وے مواشی انھیں بتاتے ہیں
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بعضے جب آکے دھوم ڈالیں ہیں　　آنہ دو آنہ، دے کے ٹالیں ہیں
بعضوں سے جتیں نکالیں ہیں　　بعضوں کو صاف ٹالیں بالیں ہیں
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

لکھ کے دیتے ہیں دو روپے کی برات　　تس کے دو آنے پھر لگیں ہیں ہاتھ
اس کو بھی کئی لگار ہے ہیں گھات　　اس خرابے کی کیا کہوں میں بات
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا ہوا بگڑی ہے زمانے کی　　کچھ بھی صورت نہیں ہے پلنے کی
آشنا کی نہ کچھ یگانے کی　　وائے برجان ہے بیگانے کی
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کوئی روپیوں کی تلاش میں ہیں گے　　کوئی فکر معاش میں ہیں گے
کوئی سینہ خراش میں ہیں گے　　اس طرح کے قماش میں ہیں گے
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

مارے بھوکوں کے اس قدر ہیں چور　　کسو کے منہ پہ نہیں ذرا بھی نور
بے نصیبی میں کچھ نہیں ہے قصور　　یہ حقیقت کہوں میں کس کے حضور
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بے طرح کے یہ لوگ ہیں بے پیر　　دینے کی کچھ بھی نہیں کریں تدبیر
بھوک از بس ہوئی ہے عالمگیر　　ساری دنیا کے تئیں کیا ہے فقیر
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہے عجب کچھ یہ جاٹ کی سرکار　　خلق ناخوش، سپاہ سب بیزار
دیر طلبی سے سخت ہو لاچار　　اکثر اس بیت کو پڑھیں ہیں پکار
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

پاجی عالم ہے بادشاہی ہیں　　مرد آدم پھریں تباہی ہیں
کیا کہوں میں جناب الٰہی میں　　اب کے پھر گھٹلی ہیں پھاہی ہیں
کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

حال اپنا سنا کے جیتا کہا　　سال گزرے پہ تو بھی کچھ نہ ملا
اٹھ گئے آخر کش کو ہو کے خفا　　بے جا نہیں ہے، کہا ہے بہت بجا

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس یہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا کہوں میں الُنوں کی نادانی   نوکری کہیں ذرا نہ پہچانی
بے وقوفوں پہ ہے مہربانی   بہت سا پیار اور قدر دانی

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

اس سوا اور یہ تماشا ہے   کیا کھُلا الوؤں کا ڈربہ ہے
حق شناسی کا حرف عنقا ہے   بسکہ عالم خراب ورسوا ہے

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

یہاں تلک ہے جہاں کی بات ابتر   پیسے دینے پہ نئیں کسو کی نظر
جھوٹ ہی جھوٹ پہ بندھی ہے کمر   شاہ کے آنے کی ہے تس پہ خبر

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

دیکھ کر جھوٹ اور دغا بازی   اٹھ گئے جو کہ مرد تھے غازی
چاپلوسی سے کر سخن سازی   اب تو نامردے گئے بازی

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

نہ کوئی منصف ہے نہ کوئی عادل   حظّ نفسی میں ہیں سبھی کامل
بسکہ حیرت میں ہیں گے سب عاقل   کہتے ہیں روز ہاتھوں کو مل مل

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

جا بجا بھوک اور پریشاں ہیں   کردۂ خویش سے پشیماں ہیں

دیدہ گریاں و سینہ بریاں ہیں   دیکھ یہ حال ہم بھی حیراں ہیں

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا یہ امرار و بخشی و عُظّام   روز و شب کرتے ہیں گے اپنا کام
دیکھ کر کے یہ ان کی شکل مُدام   اک ہنسی آتی ہے گی جن پہ تمام

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

اس طرح کا مچا ہے دھندھوکال   سب کے چہرے پہ ہے نمودِ ملال
خواجہ حافظ میں دیکھتے ہیں فال   تیسرے فاقے، ہے حرام، حلال!

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہو گئے نادہند اہلِ ہمم   اب کسی کا کسی کو درد نہ غم
غور کیجے تو ہے صریح ستم   بات اس مصرع پہ ہوئی ہے ختم

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا کروں یارو جاٹ کا میں بیان   اونچی دوکان اور سڑا پکوان
وے کہاوت ہے آخرش کو ندان   اڑ گئی چُٹیا رہ گئے دوکان

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

دیکھو یارو یہ کیا عجائب ہے   طرح آقا کے کیا غرائب ہے
جو کہ بھڑوا ہے سو مصاحب ہے   مسخرا ہے سو پیارا نائب ہے

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کوئی کچھ لینے کو جو یہاں آوے — پیسے دے، مار کھا، چلا آوے
لاکھ کوئی اگرچہ چلاوے — آقا سُن کر کہیں نہ شرماوے

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہے مزا اب تو بات جھوٹی میں — کچھ نزاکت نہیں ہے موٹی میں
دیکھتا ہوں یہ طرز کھوٹی میں — جی رہے ہیں ہمیشہ، روٹی میں

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

اب تو رتبہ ہے زندگی کے تئیں — اور مراتب ہے خندگی کے تئیں
کوئی نہیں پوچھے بندگی کے تئیں — پھٹے منہ ایسی زندگی کے تئیں

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

دھول ہے اب کے اس زمانے میں — خاک اڑتی ہے کارخانے میں
کچھ برکت نہیں کمانے میں — گُوہا، پھچی پھچی ہے خانے خانے میں

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کہیں ذرا شرم دل پہ نہیں لاتے — روز پھرتے ہیں خایہ سہلاتے
تس پہ بھی حق اپنا نہیں پاتے — اس حماقت سے باز نہیں آتے

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بہتوں کی اب یہ آر ہی گزر — ٹھیکرا لے کے پھرتے ہیں گھر گھر
بعضے کہتے ہیں دیکھ انھیں اکثر — لعنت ہے ایسی نوکری او پر

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا کہوں بعضوں کی بھی شامت کو — کچھ میسر نہیں حجامت کو
دیکھتے ہیں صریح قیامت کو — تس پہ بھی مرتے ہیں قدامت کو

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بعضوں کی گانٹھ میں، نہ کچھ گھر میں — وے اکڑتے پھریں نہ کہیں شہر میں
دیکھ عالم انھیں بہت بھر میں — مجھ کو کچھ غرض نہیں، کہوں پر میں

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

جو کہ صاحب طبع ہیں اہلِ ذکا — وے تو مرنے کی مانگتے ہیں دعا
ہاتھ میں تسبیح کے دل کو لگا — یہ وظیفہ پڑھیں ہیں سب کو سُنا

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہو رہے ہیں فضیحتے گھن گھور — اور خرابی مچی ہے چاروں اُور
جس کو دیکھو سو زندہ ہے درگور — رات کو تس پہ آوتے ہیں چور

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

غرض ہے اب جہاں میں آیا آپ — کوئی نہ بیٹا کسو کا، کوئی نہ باپ
اپنا مطلب کریں ہیں سب چپ چاپ — پھر اسی مصرع پہ لگی ہے تھاپ

کیا مصیبت خدانے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ساری خلقت کو دیکھ کر غمناک — بسکہ حیرت کا ہوئے سینہ چاک

آنکھیں سب کی ہیں پر نہیں ہے ناک　　اس سوا اور کیا کہوں ہیں خاک
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

شہر آشوب بس کیا چہیے　　آگو خاموش ہی رہا چہیے
گزرے جو کچھ، سو سب سہلا چہیے　　کوئی پوچھے تو یہ کہا چہیے
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

مخمس شہر آشوب

جگ میں کوئی کسو کا یار نہیں　　یار بھی ہیں تو ان میں پیار نہیں
پیار وہ جس کا اعتبار نہیں　　اعتبار ہے سو برقرار نہیں
کونسا دل ہے جو کہ زار نہیں

سوچ ہی میں کٹے ہے ساری رات　　جی نہ چاہے وہ کیسے منہ سے بات
مارے ایسی زیست اوپر لات　　اس زمانے کے ہاتھ سے ہیہات
عیش کا کچھ بھی سروکار نہیں

کیا کہوں میں تباہی دنیا کی　　بھوک کی، دکھ کی، وائے ویلا کی
اور مصیبت کے صور برپا کی　　یہاں تلک مفلسی نے اب جا کی
پگڑی سر پر ہے تو ازار نہیں

اس سوا اور بھی یہ ندرت ہے　　دانا شخصوں سے سب کو نفرت ہے
زور ہی یہ خدا کی قدرت ہے　　نہ کہیں عیش ہے نہ عشرت ہے
جز خزاں کے کہیں بہار نہیں

فاضل آگے ہی کہہ گئے ہیں پکار　　بعد اقبال کے ہے پھر ادبار
زندگی کا مزا ہے دن دو چار　　اس کو کس واسطے کروں اظہار
یہ سخن کس پہ آشکار نہیں

کوئی نہ پوچھے اگر مرے کوئی　　درد میں عمر سب بھرے کوئی
سر کو کاٹ ہاتھ پر دھرے کوئی　　لاکھ حکمت اگر کرے کوئی
تو بھی مطلب کا روبکار نہیں

یاں تو جو کچھ کہ طرح ہے سو یہ ہے　　مقصد ہونے کو میں کہا سو وہ ہے
جی میں آوے لہر سو جی میں رہے　　چاہے کہنے کو بھی تو کس سے کہے
ایسا کوئی یار غمگسار نہیں

تیل بن، گھر دیا جلے کیوں کر　　آنچ بن چیز کوئی گلے کیوں کر
پیسے بن کام بھی چلے کیوں کر　　مفت چاہو سو کچھ ملے کیوں کر
باوا جی کی تو نا نکار نہیں

ایک نے جا نجومی سے پوچھا　　کچھ ترقی کب ہوگی یہ بتلا
تب وہ بولا کہ ہے نرا دھوکا　　کون جانے کہ کل کیا ہوگا
آج ہے اس میں پھیر پھار نہیں

جو کہ بالفعل ہیں گے اب سردار　　وہ تو غفلت کی مدھ میں ہیں سرشار
ساری بستی انھوں سے ہے بیزار　　وقنا ربنا عذاب النار
دینے کا کچھ بھی کاروبار نہیں

اُمّی ہیں سو مشیر صائب ہیں　　فیلیاں ہیں سو عمدہ نائب ہیں
مسخرے ہیں سو وہ مصاحب ہیں　　اہلِ دانش انھوں سے تائب ہیں
اس حماقت کا وار پار نہیں

سیر کو جب کہیں وہ جاتے ہیں　　لال، پیلے کی سج دکھلاتے ہیں
طرّہ رکھ کر کے سر ہلاتے ہیں　　چلتے میں بھاو سا بتاتے ہیں
اس سوا ان کو اور کار نہیں

دیکھ کر یہ طرح، ہوا جی دنگ — آقا ہو کے بجاوتے مردنگ
خنجری لے کے گاوتے سارنگ — اور غضب یہ کہ ایسے ہیں دل تنگ
جن کے ابخل پینے کا پار نہیں

صحبت ان کی عجب دھمیّا ہے — کوئی پتنگا کوئی تتیّا ہے
ہے گویا کوئی، پنچیّا ہے — تانا رے رے ہے، تانا تھیّا ہے
مرد آدم کو ان میں یار نہیں

شکل ایسی کہ جیوں ثمر شہتوت — بولے ایسے کہ جیسے بولے بھوت
کیوں نہ خلقت کہے انھوں کو کپوت — لونڈیوں سے کتا کے بیچیں سوت
کہیں ذرا دل میں جن کے عار نہیں

مرد ایسے کہ چوہے سیتی ڈریں — جنگ کا نام سن کے موت پھریں
چلّو بھر پانی میں نہ ڈوب مریں — یار سب مل کے ان کا ٹھٹھا کریں
تو بھی ذرا وہ شرمسار نہیں

ہیجڑوں کی سی جن کی چولی ہے — جو ملے اس سے پھر ٹھٹھولی ہے
بارہ ماسے جنھوں کی ہولی ہے — روز شب جن کا درس گولی ہے
قابلیت کا کچھ شعار نہیں

نوکر حق ملنگنے کو جب آویں — ایک روپیہ انھیں نہ دلواویں
وقت پروے بھی خایہ بتلاویں — ایسے برتے پہ آقا کہلاویں
بے شعوری کا کچھ شمار نہیں

دوسرے اور یہ بڑا جنجال — ایک عالم پھرے ہے بیت المال
جھوٹ، چغلی، دغا کا مالا مال — کارکن ہے سو وہ بھی خر، دجّال
رحم کا دل میں جس کے بار نہیں

چوری اوپر ہے عاملوں کی نگاہ — (کذا)، رشوتی ہے مارِ سیاہ
بخشی کہ جن پہ ہے سپاہ کی آہ — دیوان سیتی پناہ دے اللہ
معتبر کوئی اہلکار نہیں

شخصیت ہی نہیں کہوں کس میں — ہے عناد اور نفاق آپس میں
جلائے حجّت کے کچھ نہیں اس میں — کون ساگھر ہے یہ کہو جس میں
خانہ جنگی و کارزار نہیں

خوب ہی میں نے غور کر دیکھا — یہاں بزرگی کو سب نے مل پھیکا
چاہیں جس کو کریں ہیں چومینجا — نہ حساب ہے نہ جس کا کچھ لیکھا
ان کے گرنے کو کوئی غار نہیں

ایسا اندھیر بھی سنا ہے کہیں — جس کو دیکھو سو ہے وہ قابو چیں
غیر کے کام میں نپٹ، بد بیں — کیوں نہ رسوا کروں میں ان کے تئیں
ان کو کچھ اور روزگار نہیں

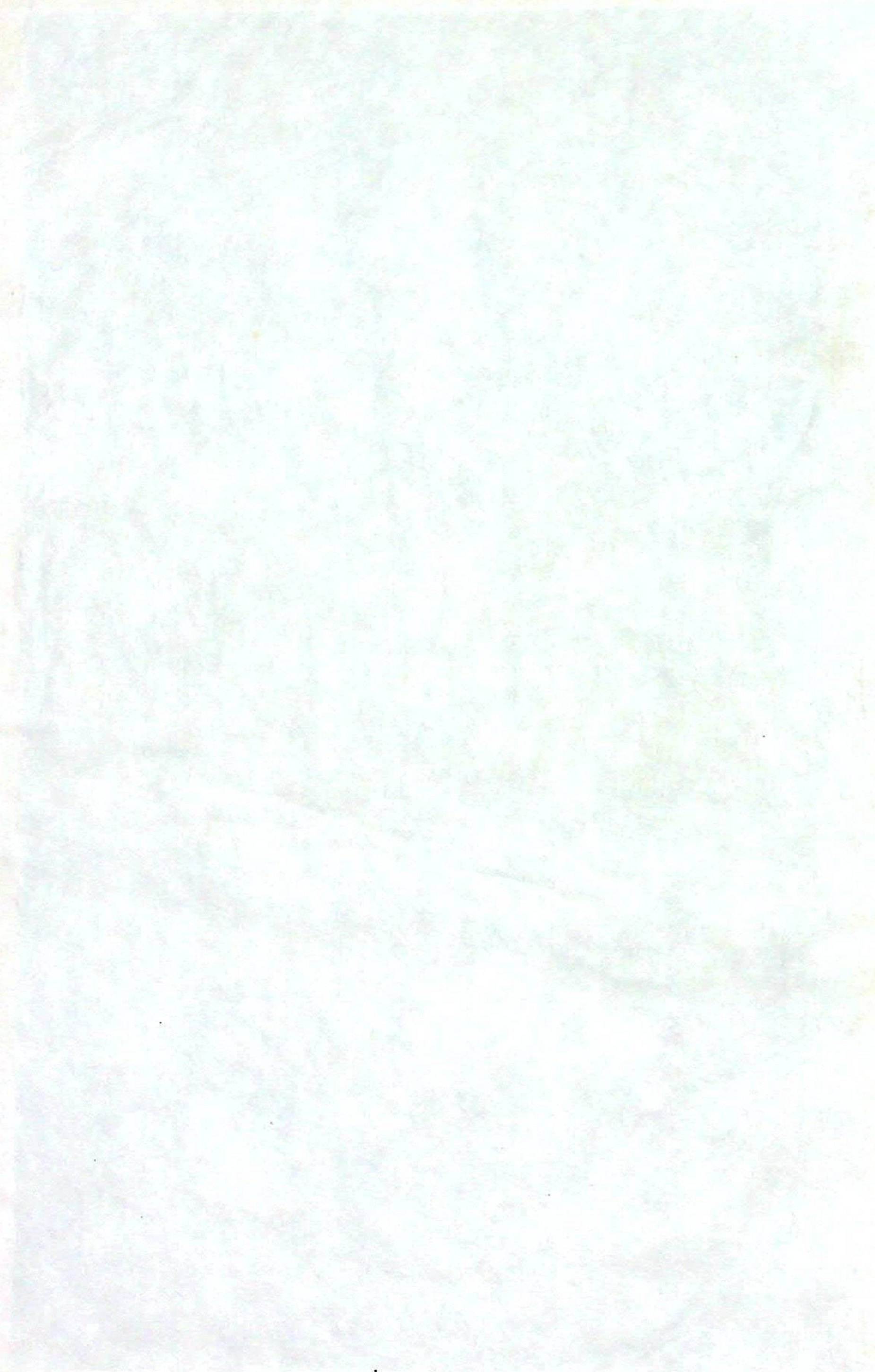
یاالٰہی زیادہ اب نہ جلاؤ — ہونا ہو کل سو آج ہی ہو جاؤ
چارسُو کا ہے بے طرح کچھ بھاؤ — خندوں کو راگ، ناچ، قلیہ، پلاؤ
مستحقوں کو مُو زہار نہیں

کام کے لوگوں کو تو موت آئی — اب نکمّوں نے دھوم پھیلائی
راست گفتہ کسے زدا نائی — سگ نشیند بجائے گیپائی
اس برابر تباہ کار نہیں

ناک، کان، آنکھیں، خوردن و آشام — ادھ یہاں سب ہے اے ذوی الاکرام
پرندارد ہے عین، قاف اور لام — ڈوبے ہے دیکھیو صبح یا شام
اس میں کچھ دیر زینہار نہیں

جو کہ آگو بڑے تھے دولت مند — نجبا، اشراف کو رکھے تھے پسند
ان کی حالت کہوں میں اب تا چند — اس قدر ہوئی انھوں کی آمد بند
پالکی کو جنھیں کہار نہیں

جو خوشی بیچ دن کو بھرتے تھے — نیک نیت پہ دل کو دھرتے تھے
اور بدی سے بہت سا ڈرتے تھے — سب طرح کا وہ حظ کرتے تھے
ان میں اب کوئی مالدار نہیں



ISBN 81-7160-044-1